ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

بچوں کا اسلام

روزنامہ اسلام

602 اتوار 3 ربیع الاول 1435ھ مطابق 5 جنوری 2014ء

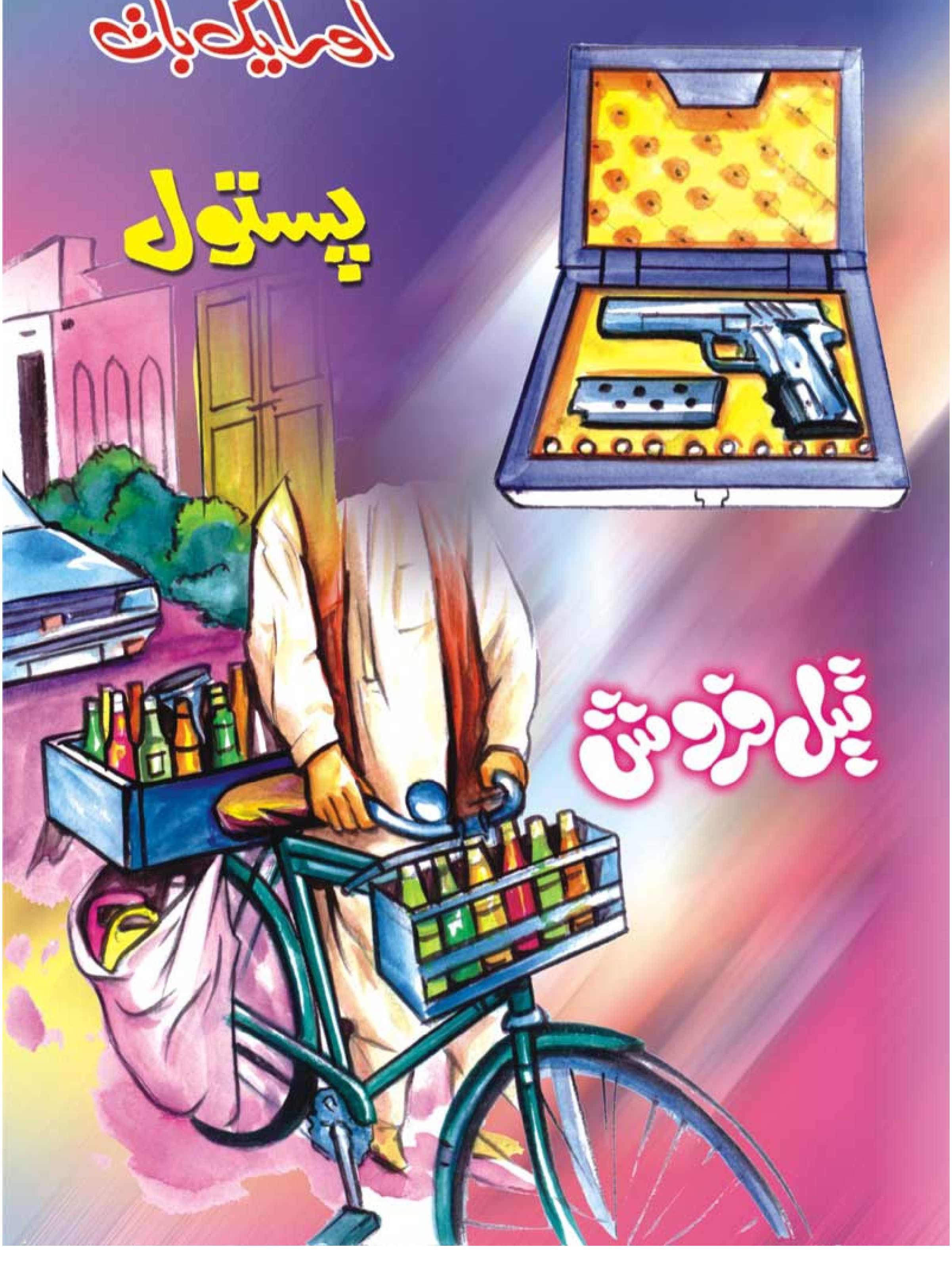

اور ایک بات

پستول

تیل فروش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

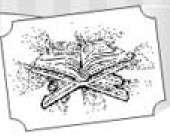

کہہ دیجیے

''کہہ دیجیے! بے شک میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں اس کے آگے سب سے پہلے سر جھکانے والا ہوں O کہہ دیجیے! کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور پروردگار تلاش کروں، حالانکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے O اور جو کوئی شخص کوئی کمائی کرتا ہے، اس کا نفع نقصان کسی اور پر نہیں، خود اسی پر پڑتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی اور کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ پھر تمہارے پروردگار ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے۔ اس وقت وہ تمہیں ساری باتیں بتائے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔ (سورۃ الانعام 62 تا 164)

تعریف کرے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی ہوتا ہے جو ایک لقمہ کھائے، اس پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے یا پانی کا ایک گھونٹ پیے، اس پر اللہ کی تعریف کرے۔ (مسلم)

دو باتیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

سوچ رہا ہوں، آج آپ سے دو باتیں کر ہی لی جائیں، بلکہ اس سے یہ کہیں بہتر ہے کہ دو دو باتیں کر لی جائیں... گویا چپڑی اور دو دو والی بات ہو جائے گی... کیا خیال ہے آپ کا، کہیں آپ یہ تو نہیں سوچ رہے کہ ضرور اس شخص کا دماغ چل گیا ہے، کیونکہ دو باتیں تو ہر شمارے کی ہر ہفتے لکھتا ہے اور اس معمول کو گیارہ سال ہو چکے ہیں... پھر بھلا یہ لکھنا کہ آج آپ سے دو باتیں کر ہی لوں بلکہ دو دو باتیں کر لوں... ہے کوئی تک...

جی ہاں! واقعی کوئی تک نہیں ہے... ان دنوں بے چاری ''تک'' ملتی ہی نہیں تو دو باتیں میں کہاں سے نظر آئے گی... اور ایک تک کی کیا بات ہے... یہاں تو کوئی چیز بھی نہیں ملتی... نہ تکی نہ بے تکی... مطلب یہ کہ کوئی کل سیدھی نہیں رہی... میرا مطلب اپنے غریب ملک سے ہے... یہاں کوئی تک کی چیز ملے بھی کیسے... یار لوگ کوئی چیز چھوڑتے ہی کب ہیں... بس اپنی جیبیں بھرنے سے غرض ہے انھیں تو... وہ بھرتی رہیں، باقی سب خیر ہے...

لیکن مشکل ایک اور ہے... ایسے لوگوں کو اپنی بھری ہوئی جیبیں بھی بھری ہوئی نہیں لگتیں... خالی ہی نظر آتی ہیں... یہ اپنی جیبوں کو کتنا ہی کیوں نہ بھر لیں... نظر وہ انھیں خالی ہی آتی ہیں، لہٰذا یہ ان میں اور... اور ٹھونسنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں... یہاں تک کہ جیبیں پھٹ جاتی ہیں، ان میں اپنا آپ نظر آنے لگتا ہے... اس پر بھی انھیں یہی محسوس ہوتا ہے... ہماری جیبیں خالی ہیں... بات دراصل یہ ہے کہ ان لوگوں کو کبھی بھی اپنی جیبیں بھری ہوئی نظر نہیں آسکتیں... خالی ہی نظر آئیں گی... کیونکہ یہ خالی جیب آئے تھے... اور خالی جیبوں ہی چلے جائیں گے... جس وقت مر رہے ہوں گے، اس وقت بھی انھیں اپنی جیبیں خالی ہی نظر آئیں گی... یہ جیبیں ہیں ہی خالی رہنے کے لیے... ان کا بھرنا نہ بھرنا برابر ہے... یہ بھری ہوئی ہوں گی، تب بھی خالی... خالی ہوں تب بھی خالی...

کیونکہ بھری ہوئی جیبیں تو قناعت پسندوں کی ہوتی ہیں جن کے پاس قناعت کی دولت ہے... انھیں اپنی جیبیں خالی ہوتے ہوئے بھی بھری بھری نظر آتی ہیں... وہ پوری طرح مطمئن رہتے ہیں... انھیں کبھی یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ ان کی جیبیں خالی ہیں... نہ انھیں اس بات کی فکر ہوتی ہے، وہ رات کو اس طرح پرسکون سوتے ہیں کہ بھری جیبوں والوں کو وہ سکون خوابوں میں بھی میسر نہیں، جی ہاں، قناعت اس دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے... یہ دولت پاس ہو تو کسی دولت کی ضرورت نہیں، یہ پاس نہ ہو تو ساری دنیا کی دولت بھی تھوڑی نظر آتی ہے... بندے کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا... اس کے پاس سونے کی پوری ایک وادی ہو تو یہ دوسرے انبار کی فکر کرے گا اور دوسری ہو تو تیسرے کی فکر کرے گا... بس فکر ہی فکر کرے گا اور کچھ کرنے کے قابل یہ نہیں ہوگا... ساری زندگی اس کی اس فکر ہی میں گزر جائے گی اور جب دنیا سے جائے گا تو سونے کی وادیاں جوں کی توں اپنی جگہ پر قائم اور دائم ہوں گی... اور یہ خود ان کے پاس نہیں ہوگا... تو کیا فائدہ ایسی جیبوں کا... سونے کی ایسی وادیوں کا اور ایسی فکر کا... مطلب یہ کہ ہم بے فکر ہی بھلے... کیا خیال ہے آپ کا اس بارے میں... آپ سوچ رہے ہوں گے... یہ دو باتیں شروع تو کہاں سے ہوئی تھیں اور پہنچ گئیں کہاں... یہی تو ان کی عادت ہے... دھت تیرے کی...

والسلام

سالانہ زرِتعاون اندرونِ ملک : 600 روپے، بیرونِ ملک : 3700 روپے

خط کتابت کا پتہ

"بچوں کا اسلام" دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون : 021 36609983

بچوں کا اسلام انٹرنیٹ پر بھی : www.dailyislam.pk ای میل : bkislam4u@gmail.com

خونی دوزخ

اسامہ دیوان۔ کراچی

جرمنی کے قصبے ڈاچاؤ کے گرد وسیع میدان میں ایک قید خانہ تھا۔ وہ ہٹلر نے بنوایا تھا۔ یورپ کے مختلف حصوں سے مال گاڑیوں میں یہودی وہاں لا کر قید کیے جاتے تھے۔ وہاں پہنچنے کے فوراً بعد ان کے ننگے جسموں پر کوڑے برسائے جاتے تھے۔ تمام قیمتی چیزیں حتیٰ کہ دانتوں میں لگا سونا بھی ان سے چھین لیا جاتا تھا۔ انھیں دو گروہوں میں تقسیم کر دیا جاتا اور محنت و مشقت کے لحاظ سے صحت مند دکھائی دینے والے یہودیوں کو الگ کر لیا جاتا تھا۔ ان قیدیوں میں سے بہت سے تو طویل جنگ کی وجہ سے پہلے ہی خوفناک حد تک کمزور ہو چکے تھے، ایسے ہی قیدیوں میں سے کئی قیدی وہ بھی تھے جو ریل گاڑی کے لمبے سفر میں پسینے کی وجہ سے گندے اور بدبودار ہو گئے تھے۔ وہ پلکیں جھپکے بغیر فوجیوں کی ہر حرکت کو دیکھ رہے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کی انگلیوں کے اشارے سے وہ شدید جسمانی مشقت میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ پھر بہت سے قیدیوں کو ٹرک میں سوار کر کے روانہ کر دیا گیا اور جو قیدی بچ گئے، وہ اینٹوں سے بنے ہوئے ایک چھوٹے سے گھر کی طرف بھیج دیے گئے۔ اس کی چھت پر تین لمبی لمبی چمنیاں آسمان کی طرف رخ کیے کھڑی تھیں۔

اس عمارت کے باہر جنگلہ تھا۔ اس پر لوہے کی نوک دار تار لگی تھی۔ اتنے میں چھوٹے قد کا ایک شخص پُرغرور انداز میں گھر سے باہر آیا اور حقارت سے بولا:

''سنو یہودیو! ہم جانتے ہیں کہ مال گاڑی کے سفر سے تم گندے ہو گئے ہو، اس لیے تمہیں گرم پانی سے نہانے کی اجازت ہوگی، تین قطاروں میں نہانے کے کمرے میں جاؤ۔''

یہ سن کر لوگ حیرت اور خوشی سے چیخے بغیر نہ رہ سکے۔ سب خوشی سے باتیں کرتے ہوئے اور ہنستے ہوئے قطاریں بنا کر اینٹوں کے مکان میں داخل ہوئے اور ایک وزنی آہنی دروازہ بند کر دیا گیا۔ افسوس کہ وہ گرم فواروں والا غسل خانہ نہیں تھا جو یہودیوں کو صاف ستھرا کرتا، بلکہ وہ ایک بند کمرہ تھا جو ہٹلر نے بنوایا تھا، تاکہ لوگوں کو گروہوں کی شکل میں زہریلی گیس کے ذریعے ہلاک کیا جا سکے۔

گیس کا ایک سفید بادل! سی... سی... کی آواز سے پائپوں میں سے نکلا۔ خاموشی کے چند لمحوں کے بعد قابلِ رحم چیخیں، کرب ناک آوازیں، قاتل دھوئیں میں چکرا کر رہ گئیں۔ اگر زمین پر کوئی دوزخ تھی تو اُس وقت وہ تھی اور یہ دوزخ انسانوں نے دوسرے انسانوں کے لیے تیار کی تھی۔

اثر میں کروں گا

نہ خود کو کبھی کم نظر میں کروں گا
کہ ماہِ صفر میں سفر میں کروں گا

عقیدہ جہالت کا ہوگا شکستہ
بہت جلد حاصل ظفر میں کروں گا

بشر کے شرر سے ہے برپا شرارت
بشر سے بہت دور شر میں کروں گا

پڑا میں رہوں گا بس اک در پہ تاعمر
بھلا خود کو کیوں دربدر میں کروں گا

مراد ایک ہی میرے دل میں ہے آباد
فدا حق پہ قلب و جگر میں کروں گا

چلوں گا ابوذر کے نقشِ قدم پر
نہ خود کو پرستارِ زر میں کروں گا

گھروں میں غریبوں کے کر کے اجالا
دلوں میں غریبوں کے گھر میں کروں گا

میں دیتا ہی جاؤں گا درسِ محبت
عداوت نہیں عمر بھر میں کروں گا

نصیحت سے باز آؤں ممکن نہیں ہے
نصیحت مگر مختصر میں کروں گا

موثر بنوں گا اثر کے قلم سے
دلوں پر یقیناً اثر میں کروں گا

اثر جونپوری

میں سمجھتی تھی کہ ''بچوں کا اسلام'' میں جن کی یعنی جن بچوں کی کہانیاں چھپ جاتی ہیں، وہ شاید بہت ہی ''شاہد پھلور'' نہیں بلکہ بہت ہی ذہین فطین، پڑھے لکھے، قابل، ڈاکٹر، انجینئر اور ڈگری ہولڈر بچے ہی ہوتے ہوں گے یا کوئی بچے مجذوب بھی ہوں گے۔ اسی لیے ان کی تحریریں چھپتی ہیں اور ہماری تحریریں ڈر کے مارے چھپتی ہیں اور یہی سوچ مجھے ڈرا ڈرا کر لکھنے سے روکتی رہی، اگر یہ سوچ ختم ہوتی تو دوسرا خوف سامنے آ جاتا کہ کہیں ''نیوز چینل'' میں ہماری بھی خبر نہ لگ جائے۔ ہمارے کون سا بڑے تعلقات ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ '' آمنے سامنے'' میں بھی ہمیں کسی سے سامنا کرنا پڑ جائے اور خوف سے آنکھیں بند کر لیتے، لیکن آخر ایک دن اندر کے ادیب نے جھنجھوڑ کر اٹھایا کہ اٹھو، بہت سوتی ہو تم اور میری آنکھ کھل گئی۔ ہمارے اندر کے ادیب نے ہمیں جھنجھوڑ کر بیدار کیا تھا اور پھر ادیب نے ہی بتایا کہ ایسی بات نہیں ہے۔ آخر مجھ میں بھی لکھنے کی کوئی صلاحیت ہے۔ اب آپ خود ہی اندازہ کر لیں کہ یہ الفاظ جو آپ کے سامنے ہیں، یہ آخر ہم ہی نے لکھے ہیں۔ وہ بھی دائیں ہاتھ سے، دائیں ہاتھ سے کام کرنا سنت جو ہوا، لیکن یہ کیا، شاید ادیب غنودگی میں چلا گیا تھا، کیونکہ ہوا یوں کہ میری چھوٹی بہن صاحبہ آئی اور میری تحریر پڑھنے کی کوشش کی جو ہم نے ایک اچانک جھٹکے سے چھپا لی کہ کہیں پڑھ نہ لے اور وہ ہنستے ہوئے چلی گئی اور کہنے لگی کہ بڑے رائیٹرز کے سامنے چھوٹے چھوٹے رائیٹرز ایسے ہی ڈر جاتے ہیں۔ ہم تو اور گھبرا گئے اور دل کانپنے لگا، لیکن ہم کوئی چھوٹے رائیٹر تھوڑی تھے۔ شکر ہے، اندر کے ادیب کو ہوش آ گیا۔ فوراً تسلی دی اور لکھنے بیٹھ گئے۔ جو لکھا گیا، وہ حاضر ہے۔ اب آپ جانیں آپ کا کام۔

عبداللہ فارانی

92

واقعات صحابہ کے

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میں اپنی ماں کو سخت گرم اور پتھریلی زمین میں اپنے کندھوں پر اٹھا کر چھ میل لے گیا، زمین اتنی گرم تھی کہ اگر اس پر گوشت کا ٹکڑا ڈال دیتا تو وہ پک جاتا۔ تو کیا میں نے اس کے احسانات کا بدلہ ادا کر دیا۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہاری والدہ نے تمہارے لیے جتنی تکالیف اٹھائیں، شاید ان میں سے ایک ٹیس کا بدلہ اتر گیا ہو۔'' (یعنی اس نے جو تکالیف برداشت کی ہیں، تم کسی صورت بھی ان کا بدلہ نہیں چکا سکتے)

O

ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ ایک بڑے میاں بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا:

''اے فلاں! یہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟''

اس نے بتایا: ''یہ میرے والد ہیں۔''

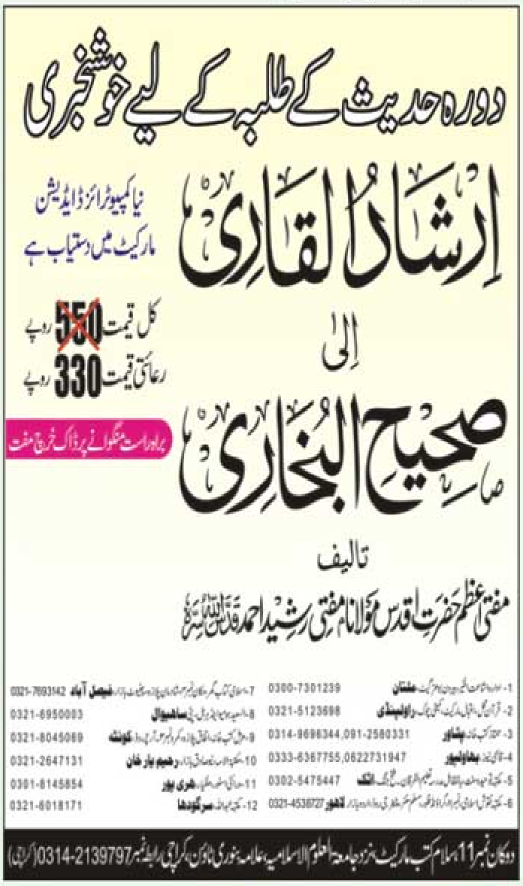

آپ نے فرمایا: ''ان کے آگے نہ چلو، ان سے پہلے نہ بیٹھو، ان کا نام لے کر نہ پکارو، انھیں گالی دیے جانے کا سبب نہ بنو۔'' (یعنی تم کسی کے باپ کو گالی دو گے تو وہ جواب میں تمہارے باپ کو گالی دے گا)

O

حضرت ابو غسان رحمہ اللہ اپنے والد کے ساتھ مدینہ منورہ کے پتھریلے میدان میں چلے جا رہے تھے۔ اتنے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

قدم بہ قدم

سے ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے ان سے پوچھا: ''یہ تمہارے ساتھ کون ہیں۔''

حضرت ابو غسان نے جواب دیا: ''یہ میرے والد ہیں۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

''ان کے آگے مت چلا کرو، کسی کو اپنے اور ان کے درمیان نہ آنے دو، اپنے والد کے مکان کی ایسی چھت پر نہ چلو جس کی منڈیر نہ ہو، کیونکہ اس سے ان کے دل میں (تمہارے چھت سے نیچے گر جانے کا) ڈر پیدا ہوگا (اور وہ اس سے پریشان ہوں گے) اور جس گوشت والی ہڈی پر تمہارے والد کی نظر پڑ چکی ہو، اسے نہ کھاؤ۔''

O

ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں جانے کی اجازت مانگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تمہارے والدین زندہ ہیں۔''

اس نے کہا: ''جی ہاں!''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم ان دونوں کی خدمت کرو (یعنی چونکہ تمہارے والدین محتاج خدمت ہیں، اس لیے تم ان کی خدمت کرو۔'' تمہارا جہاد یہی ہے) (ابن ماجہ)

O

ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

''حضور! میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں، لیکن مجھ میں جہاد میں جانے کی طاقت نہیں ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

''تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟''

اس نے جواب دیا: ''میری والدہ زندہ ہیں۔''

آپ نے فرمایا: ''اپنی والدہ کی خدمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو جاؤ (یعنی مرتے دم تک تم ان کی خدمت کرتے رہو) جب تم یہ کرو گے تو گویا تم نے حج، عمرہ اور جہاد سبھی کچھ کر لیا۔'' (طبرانی)

O

ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: ''تم لوگ اس بستی میں جانے کی تیاری کر لو جس کے رہنے والے بہت ظالم ہیں۔ ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ وہ بستی فتح کر کے تمہیں دیں گے۔'' (آپ کا ارادہ خیبر کا تھا)

آپ نے یہ بھی فرمایا:

''میرے ساتھ اڑیل سواری والا اور کمزور سواری والا ہرگز نہ جائے۔''

یہ سن کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جا کر اپنی والدہ سے کہا:

''میرا سفر کا سامان تیار کر دیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوے کی تیاری کا حکم فرمایا ہے۔''

آپ کی والدہ محترمہ نے فرمایا: ''تم جا رہے ہو، حالانکہ تمھیں معلوم ہے کہ میں تمہاری مدد کے بغیر اندر آ جا نہیں سکتی۔''

اس پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے نہیں رہ سکتا۔''

ان کی والدہ نے اپنے دودھ کا حوالہ دیا، لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پھر بھی نہ مانے۔ اس پر ان کی والدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر یہ ساری بات بتا دی۔ آپ نے ان سے فرمایا: ''تم جاؤ، تمہارا کام تمہارے بغیر ہی ہو جائے گا۔''

اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنا منہ ان کی طرف سے پھیر لیا۔ یہ دیکھ کر انھوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں دیکھ رہا ہوں، آپ نے میری طرف سے منہ پھیر لیا ہے۔ ضرور میری طرف سے آپ کو کوئی بات پہنچی ہے، جس کی وجہ سے آپ ایسا فرما رہے ہیں۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہاری والدہ نے تمھیں دودھ کا واسطہ دیا، لیکن تم نے پھر بھی ان کی بات نہیں مانی، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اپنے والدین کے پاس یا دونوں میں سے ایک کے پاس رہو گے تو تم اللہ کے راستے میں نہیں ہو، انسان جب والدین کے پاس رہ کر اچھی طرح خدمت کرتا ہے اور ان سے حسنِ سلوک کر کے ان کا حق ادا کرتا ہے تو بھی وہ اللہ ہی کے راستے میں ہوتا ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے بعد دو سال تک والدہ کی خدمت کرتے رہے۔ جب تک ان کا انتقال نہیں ہو گیا، کسی غزوے میں نہیں گئے۔

O

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ حج کرنے گئے۔ چلتے چلتے وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک درخت کے پاس پہنچے تو اسے پہچان لیا اور اس کے نیچے بیٹھ گئے، پھر فرمایا:

''میں نے دیکھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں اس گھاٹی سے ایک آدمی آیا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا، پھر اس نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور میری نیت صرف اللہ کو راضی کرنے اور آخرت اچھی بنانے کی ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟''

اس نے عرض کیا: ''جی ہاں!''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''واپس جا کر ان کی خدمت کرو۔ ان سے اچھا سلوک کرو۔''

وہ شخص جہاں سے آیا تھا، وہیں چلا گیا۔ (جاری ہے)

2

بدنصیب ہوٹل

اشتیاق احمد

''یہ... ابا جان... یہ ایک لاش ہے... اسے ابھی ابھی لاش میں تبدیل کیا گیا ہے۔'' فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

''وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں... یہ ہوا کیسے؟''

''کسی شخص نے شیشے کا وزنی ایش ٹرے اس کے سر پر پھینک مارا... سر پھٹ گیا اور یہ بے چارہ مر گیا، لیکن یہ اس ہوٹل میں پہلی واردات نہیں... تیسری ہے... یہ دیکھیے... اخبار'' یہ کہہ کر محمود نے انسپکٹر مشکور کے ہاتھ سے اخبار کھینچ لیا اور ان کے سامنے کر دیا۔ انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی اس پر نظریں دوڑائیں، اسی وقت کاؤنٹر کلرک چلا اٹھا:

''ارے... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔''

''کیا دیکھ رہے ہو... ہمیں بھی دکھاؤ'' سیٹھ بھلوان بولا۔

''ان صاحب کے چہرے کو پتا نہیں کیا ہو گیا... یہ کل رات ہی تو یہاں پہنچے ہیں... ان تینوں کے ساتھ۔'' اس نے محمود، فاروق اور فرزانہ کی طرف اشارہ کیا۔

''چہرے کو کیا ہو گیا ہے... یہ کیا بات ہوئی۔''

''ان کا چہرہ بالکل بدلا بدلا لگ رہا ہے۔''

''اوہ... میں سمجھا'' انسپکٹر مشکور نے جلدی سے کہا اور ان کی طرف بڑھا:

''کیوں جناب... کیا آپ میک اپ میں ہیں؟''

''جی... جی ہاں... اس ہوٹل کے کاؤنٹر کلرک کو تو پولیس میں بھرتی ہونا چاہیے تھا۔'' انسپکٹر جمشید بولے اور پھر منہ اور ناک میں سے دو ننھی منی چیزیں نکال کر جیب میں ڈال لیں۔

''ارے... پھر وہی چہرہ۔'' کاؤنٹر کلرک کے منہ سے نکلا۔

''آپ نے ایسا کیوں کیا... میرا مطلب ہے... میک اپ کی کیا ضرورت تھی؟''

''شوقیہ... اسے آپ اداکاری سمجھ لیں۔'' وہ مسکرائے۔

''تو آپ اداکار ہیں؟'' انسپکٹر مشکور جلدی سے بولا۔

''میں نے یہ نہیں کہا... بہر حال آپ اپنا کام کریں... لوگ پریشان ہو رہے ہیں، ہم سے تو بعد میں بھی باتیں کر لیجیے گا، کیوں کہ ہم تو یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔''

''ہوں ٹھیک ہے، لیکن آپ فرار ہونے کی کوشش نہیں کریں گے۔'' اس نے گویا خبردار کیا۔

''ارے نہیں... ایسی بھی کیا جلدی ہے... فرار ہونے کی۔'' فاروق مسکرایا۔

''آپ کے یہ صاحب زادے میری سمجھ میں نہیں آئے۔''

''فکر نہ کریں... آ جائیں گے۔'' انھوں نے اسے تسلی دی اور کرسی پر بیٹھ گئے۔

پولیس ایک ایک گاہک کی تلاشی لینے لگی... ساتھ ساتھ وہ انھیں ہوٹل سے باہر نکالتی جا رہی تھی... اس طرح بیشتر گاہک باہر نکال دیے گئے... اب ہال میں صرف وہ لوگ رہ گئے جو ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے... ان چاروں کی تلاشی بھی لی گئی...

''میری تلاشی تو آپ بلا وجہ لے رہے ہیں... میں تو اس وقت ہال میں موجود تھا ہی نہیں... ویسے کیا

آپ نے شیشے کے ٹکڑوں پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھوالیے ہیں۔"

"ہاں آپ فکر نہ کریں اور مجھے سراغ رسانی پڑھانے کی کوشش نہ کریں، آپ کے بچے یہ کام پہلے ہی بہت کر چکے ہیں ... معلوم ہوتا ہے ... آپ لوگ دن رات جاسوسی ناول پڑھتے رہتے ہیں۔"

"جی نہیں ... آپ کا یہ خیال غلط ہے۔"

"پہلے میں آپ سے ہی باتیں کرلوں ... آپ لوگ دارالحکومت سے آئے ہیں ... کیا کرتے ہیں وہاں؟"

"میں سرکاری ملازم ہوں اور یہ پڑھتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے جواب دیا۔

"اس معاملے سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"

"صرف دیکھنے کی حد تک تعلق ہے ... ہم نے اس واردات کو ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔" محمود نے فوراً کہا۔

"کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا تھا جس نے ایش ٹرے اٹھا کر پھینکا تھا؟" اس کی نظریں محمود پر جم گئیں۔

"فاروق تم بتاؤ۔"

"اچھا ... نہیں جناب ... میں نے قاتل کو نہیں دیکھا تھا۔"

"یہ جواب کیا آپ نہیں دے سکتے تھے۔" انسپکٹر مشکور نے جل بھن کر کہا۔

"جی نہیں ... دراصل ہم ہمیشہ کام کو تقسیم کر کے کرتے ہیں، اس طرح جلدی نبٹ جاتا ہے اور برکت بھی ہوتی ہے۔"

"برکت . . . یہ برکت یہاں کہاں سے آ کودی۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"برکت کا کیا ہے ... کہیں بھی کود سکتی ہے ... ویسے ہمارا دین ہمیں یہی سکھاتا ہے کہ مل جل کر کام کرنے میں برکت ہوتی ہے ... ایک سفر کے موقعے پر صحابہ کرام نے گوشت پکانے کا ارادہ کیا ... کسی نے جانور ذبح کیا، کسی نے اسے پکانا منظور کیا ... کسی نے آگ جلانے کا کام اپنے ذمے لیا ... غرض ہر صحابی نے اپنے ذمے کوئی نہ کوئی کام لے لیا ... خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگل سے لکڑیاں چُن کر لانے کا کام کیا ... حالانکہ صحابہ روکتے بھی رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رہنے دیں ... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں تکلیف کرتے ہیں، ہم کرلیں گے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات پسند نہ کی۔"

"خیر ... برکت والی بات سمجھ میں آ گئی ... آپ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ آپ نے قاتل کو نہیں دیکھا تھا ... یہ بات ہے بھی درست، کیوں کہ یہ تو تیسرا موقع ہے ... پہلے اور دوسرے موقعے پر بھی اسے کوئی نہیں دیکھ سکا تھا ... نہ جانے وہ کون ہے ... اور اتنی صفائی سے ایش ٹرے کس طرح پھینک مارتا ہے ... دیکھیے نا ... ایش ٹرے کو پہلے میز سے اٹھانا ہوتا ہے، پھر ہاتھ کو سر سے بلند کرنا ہوتا ہے ... تب کہیں جا کر کوئی چیز اتنی طاقت سے پھینکی جا سکتی ہے، لیکن ہال میں کوئی شخص بھی نہیں بتا پاتا کہ یہ کام فلاں آدمی نے کیا تھا ... اور یہ اس کیس کا عجیب ترین پہلو ہے۔" انسپکٹر مشکور نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں ... واقعی ہے تو یہ عجیب ترین پہلو ہی۔" محمود بڑبڑایا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی جسے انسپکٹر جمشید نے صاف محسوس کیا۔

اسی وقت ہوٹل کا دروازہ کھلا اور جھنڈو خان ایک جھاڑ جھنکار قسم کے آدمی کو ساتھ لیے اندر داخل ہوا ... اس کے بڑے بڑے بال اُلجھے ہوئے تھے، یوں لگتا تھا جیسے ان کی صفائی مہینوں سے نہ کی گئی ہو:

"یہی رگو بابا ہے جناب۔" جھنڈو خان نے دور سے ہی کہا۔

"ہوں ... اسے نزدیک لے آؤ۔"

جھنڈو خان نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر ایک دھکا دیا ... وہ بے چارہ لڑکھڑاتا ہوا انسپکٹر مشکور تک آیا:

"واہ! نزدیک لانے کا طریقہ کتنا اچھا ہے۔" فاروق نے چہک کر کہا۔

"سارے راستے مجھے اسی طرح لایا گیا ہے ... آخر میں نے کیا کیا ہے۔" رگو بابا نے کانپتی آواز میں کہا۔

"یہ پوسٹر تم دیواروں پر لگوا رہے ہو؟"

"جی ہاں! یہ میرا پیشہ ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"میں نے اس کام کے لیے کچھ لڑکے ملازم رکھے ہوئے ہیں، قصبے میں جب بھی کوئی پوسٹر لگوانا ہوتا ہے، وہ مجھ تک پہنچا دیتا ہے اور میں ان لڑکوں میں تمام پوسٹر تقسیم کر دیتا ہوں ... اس طرح میں روزی کماتا ہوں۔"

"ہوں ... یہ اشتہار لگوانے سے پہلے پڑھ کر دیکھا تھا؟"

"نہیں جناب ... میں پڑھا لکھا نہیں ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"سنو میں سناتا ہوں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر مشکور نے اشتہار پڑھ کر اسے سنایا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"اس وقت تک قصبے میں اس پوسٹر نے کھلبلی مچا دی ہوگی ... اور یہ سب کیا دھرا تمہارا ہے ... تمہیں چاہیے تھا ... یہ پوسٹر لگوانے سے پہلے پڑھوا لیتے اور پولیس کے پاس لے آتے۔"

"واقعی ... یہ میری بہت بڑی غلطی ہے ... اور یہ اس وجہ سے ہوئی کہ میں ان پڑھ ہوں ... ان پڑھ ہونا بھی کس قدر غلط بات ہے۔" بوڑھے نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"خیر ... آیندہ اسی طرح کیا کرنا ... اب یہ بتاؤ ... یہ پوسٹر تمہارے پاس کون لے کر آیا تھا ... اس کا حلیہ کیا تھا؟"

"حلیہ ... آپ کا مطلب ہے، اس کا ڈیل ڈول ... ناک نقشہ کیسا تھا۔" رگو بابا نے جلدی سے کہا۔

"ہاں!" انسپکٹر مشکور نے بُرا سا منہ بنایا۔

"اس کا قد درمیانہ تھا ... جسم بھاری بھرکم سا تھا ... قدرے موٹا نظر آتا تھا ... رات کی تاریکی میں، میں اسے صاف طور پر نہیں دیکھ سکا ... آنکھیں بھی موٹی موٹی ... ناک بھی پکوڑا سی ... چہرہ گول گول تھا۔" یہ کہتے وقت اس کی نظریں سیٹھ بھلوان پر جا پڑیں۔ وہ بُری طرح اُچھلا اور پھر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے ... تم مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟"

"وہ ... وہ تو آپ ہی تھے جناب ... جو رات مجھے پوسٹر دے گئے تھے۔"

"کیا!" انسپکٹر مشکور چلاّ اُٹھا۔

"نہیں! یہ غلط ہے۔" سیٹھ بھلوان دھاڑا۔

"لیکن سیٹھ بھلوان صاحب رگو بابا نے جو حلیہ بتایا، وہ آپ پر بالکل فٹ بیٹھتا ہے ... اور اس نے یہ حلیہ آپ کی طرف دیکھے بغیر بتایا ہے ... آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"صاف ظاہر ہے ... یہ میرے خلاف ایک بہت گہرا جال ہے، میرے ہوٹل کا بیڑہ غرق کرنے کا منصوبہ ہے ... نہ صرف ہوٹل کا بلکہ میرا بھی بیڑہ غرق کرنے کا ... یہ پوری سازش میرے گرد گھوم رہی ہے ... آپ خود محسوس کر سکتے ہیں، چنانچہ سازشی دماغ نے مجھ سے ملتا جلتا کوئی آدمی ڈھونڈ لیا ہوگا۔"

"یہ آپ کا خیال ہے ... خیر ... ہم معلوم کرلیں گے کہ اصل معاملہ کیا ہے ... رگو بابا ... تم جا سکتے ہو، آیندہ پوسٹر لگوانے سے پہلے پڑھوا ضرور لیا کرو ... ورنہ اندر بند کر دوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ جناب۔" رگو بابا نے کہا اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔

"ہاں جناب ... اب آپ لوگ بتائیے ... آپ کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟" انسپکٹر مشکور ان کی طرف بڑھا اور ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''ہمارا تو سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے جناب ... ہم تو رات ہی دارالحکومت سے آئے ہیں ... اور صاف ظاہر ہے، یہ وارداتیں یہاں پہلے سے شروع ہیں۔''

''ہوں ... اپنے نام اور دارالحکومت کا پتا لکھوا دیں ... اس سرکاری دفتر کا نام پتا لکھوا دیں جس میں آپ ملازمت کرتے ہیں۔''

''بہت بہتر ... میں سب کچھ خود لکھے دیتا ہوں۔''

یہ کہہ کر انھوں نے محمود سے نوٹ بک لی ... اس کے ایک ورق پر جلدی جلدی کچھ لکھا اور انسپکٹر مشکور کی طرف بڑھا دیا ...

''میں اسے دیکھ لوں گا۔'' انسپکٹر مشکور نے کاغذ لے کر جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

آدھ گھنٹے بعد پولیس لاش کو لے کر چلی گئی ... اب ہال میں صرف وہ بیٹھے رہ گئے ... ٹھہرے ہوئے دوسرے مسافر بھی اپنا سامان اُٹھا اُٹھا کر جا چکے تھے ... شاید ہوٹل کی بدنصیبی کا خوف ان پر سوار ہو گیا تھا:

''کیا آپ لوگ ہوٹل سے نہیں جائیں گے۔''

سیٹھ بھلوان نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

''جی نہیں ... ہم آپ سے دو دو باتیں کرنا چاہتے ہیں۔''

''کیا مطلب ... کیسی دو دو باتیں۔''

''کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے خلاف سازش کرنے والا پکڑا جائے۔''

''میں اور یہ نہ چاہوں گا ... ایک بار وہ میرے سامنے آجائے، میں اسے کچا چبا جاؤں گا۔'' اس نے جھلا کر کہا۔

''ایسا ہرگز نہ کیجیے گا جناب ... ایک تو اُلٹا آپ مجرم بن جائیں گے، دوسرے آپ کے پیٹ میں بھی گڑبڑ ہوگی۔'' فاروق نے فوراً کہا۔

اس نے فاروق کو حیرت زدہ نظروں سے دیکھا، پھر بولا:

''آپ کا یہ بیٹا میری سمجھ میں نہیں آیا۔''

''ہاں! اس سے یہ شکایت اور لوگوں کو بھی ہے، لیکن آپ فکر نہ کریں ... یہ بہت جلد آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔''

''ہوں خیر ... آپ کیا کہہ رہے تھے۔''

''یہ کہ ہم قاتل کو پکڑ سکتے ہیں۔''

''اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے۔''

''تو پھر جوں ہی کوئی شخص اپنا نام اور پتا لکھوائے ... آپ ہمیں اطلاع دے دیں۔''

''تو ... تو کیا پولیس کو اطلاع نہ دوں۔''

''پولیس کو بھی ضرور اطلاع دیں، لیکن ساتھ ہی ہمیں بھی بتا دیں، پھر دیکھیے گا ... ہم اس سازش کو کس طرح بے نقاب کرتے ہیں۔''

''کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ سازش آپ لوگوں کی ہی ہو۔'' اس نے انھیں شک کی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اگر ایسا ہوتا تو پھر ہمیں اس کا نام معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے ... جو آپ کو اپنا نام پتا لکھوائے۔''

''کیوں ... ضرورت کیوں نہیں ... سازش کرنے والے سے زیادہ اس اطلاع کی اور کسے ضرورت ہوگی۔'' سیٹھ بھلوان نے کہا۔

''ہوں ... بات تو آپ کی بھی ٹھیک ہے ... خیر آپ کی مرضی ہے، اگر آپ کو ہم پر شک ہے تو پھر بے شک ہمیں کچھ نہ بتائیں۔'' وہ بولے۔

سیٹھ بھلوان سوچ میں پڑ گیا، آخر بولا:

''ہوں ٹھیک ہے ... میں آپ کو ضرور بتاؤں گا ... چاہے کچھ ہو جائے۔''

''بہت بہت شکریہ۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا اور اُوپر کا رُخ کیا۔ اپنے کمرے میں پہنچتے ہی انسپکٹر جمشید دبی آواز میں بولے:

''ہاں محمود ... تم کیا بات بتانے کے لیے بے چین ہو؟''

''ایک انتہائی حیرت انگیز بات ... مجھے وہ بات خواب کی بات محسوس ہوتی ہے۔'' محمود بولا۔

''پھر تو نہ ہی بتاؤ۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''ٹھہرو فاروق ... بتانے دو ... میں نے ہال میں محمود کو بہت بے چین محسوس کیا تھا۔''

''جی ہاں ... یہ ٹھیک ہے ... دراصل بات یہ ہے ابا جان کہ شیشے کا ایش ٹرے ایک خالی میز سے اُٹھا تھا ... مطلب یہ کہ اس میز پر کوئی گاہک نہیں بیٹھا تھا۔''

''یہ کیا بات ہوئی ... دماغ تو نہیں چل گیا۔'' فرزانہ نے بھنا کر کہا۔

''میں جانتا تھا ... تم لوگ یہی کہو گے، لیکن یہ تو دیکھو ... ابا جان نے میری بات پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔''

فاروق اور فرزانہ کی نظریں ان کی طرف گھوم گئیں۔

''ہاں! یہ ٹھیک ہے ... میں نے اعتراض نہیں کیا، لیکن تمھاری بات سن کر مجھے حیرت ضرور ہوئی ہے ... ذرا وضاحت کرو ... تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''میری نظریں ایک خالی میز کی طرف تھیں ... ہم آپ کا انتظار کر رہے تھے ... اچانک میں نے اس میز سے وزنی ایش ٹرے کو خود بخود اُٹھتے دیکھا، پھر وہ تیر کی طرح اس شخص کے سر کے پچھلے حصے سے ٹکرا کر نیچے گرا اور ٹوٹ گیا ... ادھر وہ شخص گرا ... اس کا سر بری طرح پھٹ گیا تھا۔''

محمود کے الفاظ نے انھیں ساکت کر دیا۔

☆

''یہ تو ایسی بات ہوگئی جیسے کسی جادوگر نے جادو کے زور سے ایش ٹرے اُٹھایا ہو اور اس کے سر پر دے مارا ہو ... یا کسی عامل نے اپنے قبضے میں کیے ہوئے جن سے یہ کام لیا ہو۔'' فرزانہ بڑبڑائی۔

''ہاں! بالکل یہی نظر آتا ہے، لیکن ہمارے ذہن ان باتوں کو نہیں مانتے ... یہ سو فیصد انسانی سازش ہے ... اور وہ اس طرح کہ پہلے تین آدمیوں کو اس طریقے سے ہلاک کیا گیا، پھر لوگوں کو ایک پوسٹر کے ذریعے یہ بتایا گیا کہ یہ سارا کیا دھرا ایک نامعلوم آدمی کا ہے اور وہ اس محفوظ ترین طریقے سے لوگوں کو قتل کر سکتا ہے، کوئی اس پر شک نہیں کر سکتا ... کوئی اس کا سراغ نہیں لگا سکتا، اس طرح گویا وہ شہرت حاصل کرنا چاہتا ہے ... قصبے میں اس کی شہرت اب تک ہو چکی ہے ... اب دیکھنا یہ ہے کہ آگے کیا ہوتا ہے۔''

''انتہائی خوفناک ... اس طرح تو ہم قاتل تک نہیں پہنچ سکتے ... دیکھیے نا ... وہ قتل کرنے کے لیے نہ تو کوئی آلہ استعمال کرتا ہے، نہ ہاتھ پیر ہلاتا ہے ... آخر ہم اس کے خلاف ثبوت کس طرح حاصل کر سکیں گے۔'' محمود نے اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔

''گویا اس مرتبہ ہمارا واسطہ ایک مشکل ترین معاملے سے آپڑا ہے۔'' فاروق بڑبڑایا۔

''خیر ... ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا، کیوں کہ جرم جرم ہی ہے ... وہ اپنے کچھ نہ کچھ آثار ضرور چھوڑ کر جاتا ہے ... ہم کم از کم ایک بات جانتے ہیں اور وہ یہ کہ قاتل اس ہال میں موجود تھا ... اس نے اپنی کسی غیر معمولی طاقت سے کام لے کر ایش ٹرے اُٹھا مارا۔''

''ہوں ... سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں ... اس سلسلے میں کیا قدم اُٹھائیں۔''

''آؤ ... میں سوچ چکا ہوں۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''وہ کمرے کو تالا لگا کر نیچے اُترے ... ہوٹل کا ہال سائیں سائیں کر رہا تھا ... کاؤنٹر کلرک بیٹھا اونگھ رہا تھا اور سیٹھ بھلوان ایک کرسی میں دھنسا خلا میں گھور رہا تھا ... ان کے قدموں کی آواز سن کر وہ چونک اُٹھا۔

''ہم ذرا باہر جا رہے ہیں ایک ڈیڑھ گھنٹے تک لوٹ آئیں گے۔''

''اچھا!'' اس نے کہا ... ابھی وہ دروازے تک نہیں پہنچے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی ... ان کے اُٹھتے قدم رک گئے ... سیٹھ بھلوان اُچھل کر کھڑا ہو گیا اور فون تک پہنچا ... دوسرے ہی لمحے وہ فون سن رہا تھا ... اور پھر اس نے مردہ ہاتھوں سے ریسیور رکھ دیا ... پھٹی پھٹی آنکھوں سے پہلے تو ان کی طرف دیکھتا رہا، پھر اس کے منہ سے نکلا:

''پہلا فون مل گیا ہے۔'' (جاری ہے)

پستول

محمد نصیر ہزاروی۔ بلدیہ ٹاؤن کراچی

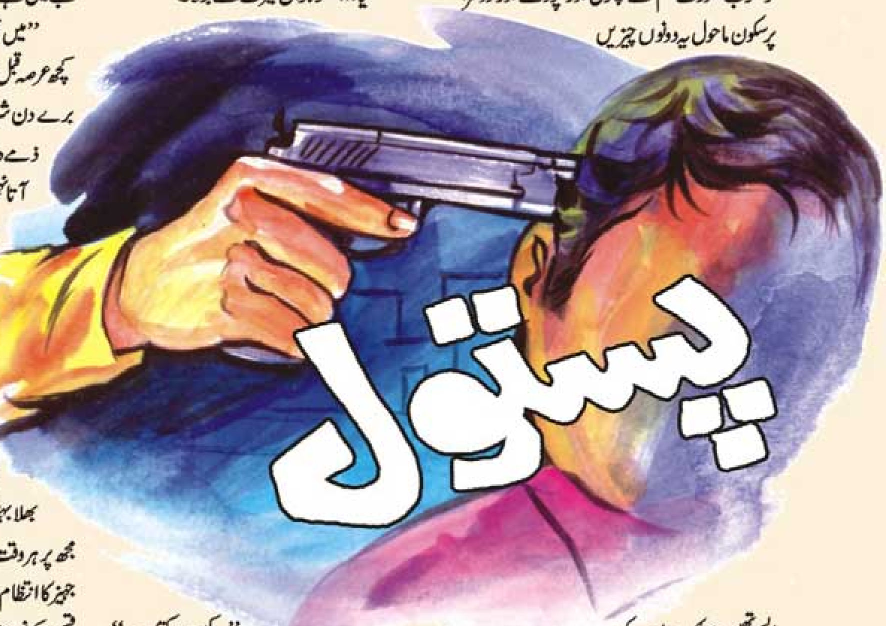

”خبردار! کوئی حرکت نہ کرنا، ورنہ پستول کی گولی تمھارے بھیجے میں اُتار دوں گا۔“

ملک اقبال صاحب جو اپنے خیالوں میں گم چلے جا رہے تھے۔ یک دم چونک اُٹھے اور کن انکھیوں سے اس نوجوان لڑکے کو دیکھا جس نے اپنے پستول کی نالی ان کی کنپٹی پر رکھی ہوئی تھی۔ ملک صاحب کا یہ روزانہ کا معمول تھا کہ فجر کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد وہ کچھ دیر چہل قدمی کے لیے اکثر اس طرف آتے تھے۔ اس سڑک کے ایک طرف خوب صورت بنگلے بنے ہوئے تھے اور دوسری طرف پودوں کی نرسریاں تھیں اور اُن میں قسم قسم کے پودے اور پھول اپنی بہار دکھاتے نظر آتے تھے۔ یہ چونکہ پوش علاقہ تھا، اس لیے صبح سویرے یہاں آمدورفت نہ ہونے کے برابر تھی اور پھر یہ سڑک چونکہ آبادی کے کنارے پر تھی، اس لیے سڑک پر تو صبح کے وقت عموماً سناٹا ہی تھا۔ ایک تو خوب صورت قسم کے پھول اور پودے اور دوسرا پرسکون ماحول یہ دونوں چیزیں ایسی تھیں جو ملک صاحب کو چہل قدمی کے لیے اس طرف کھینچ لاتی تھیں۔

”خاموشی سے جو کچھ جیب میں ہے، نکال کر میرے حوالے کر دو۔“ نوجوان غرایا۔

ملک صاحب اب بالکل پرسکون ہو چکے تھے۔ انھوں نے آہستہ سے پستول کی نالی کو دو انگلیوں کی مدد سے اپنی کنپٹی سے ہٹایا اور انتہائی نرم لہجے میں بولے۔ ”بھئی ہٹاؤ اس کو۔ تمھیں جو کچھ بھی چاہیے، میں اس کے بغیر بھی تمھیں دے دوں گا۔“

”زیادہ چالاک بننے کی ضرورت نہیں۔ سیدھی طرح نکالو سب کچھ۔“ نوجوان نے سختی سے کہا۔ ملک صاحب کا مطمئن چہرہ دیکھ کر وہ کچھ پریشان سا ہو گیا تھا کہ عموماً پستول دکھاتے ہی لوگ خوفزدہ ہو جاتے تھے۔

”ملک صاحب نے سامنے کی جیب اور سائڈ کی جیب میں جو کچھ تھا، وہ خاموشی سے نکال کر اس کے سامنے کر دیا، لیکن ان کی جیب سے چند وزیٹنگ کارڈ، دو سو روپے اور ایک قلم کے علاوہ کچھ بھی نہیں نکلا تھا۔ نوجوان کے چہرے پر وار اس طرح خالی جاتا دیکھ کر مایوسی کے آثار دکھائی دینے لگے۔ اس نے جھپٹ کر اُن کے ہاتھ سے دو سو روپے چھین لیے اور کارڈ وغیرہ سڑک پر پھینک دیے، پھر بولا: ”موبائل کدھر ہے؟“

”موبائل تو میں استعمال ہی نہیں کرتا۔“

”ہونہہ! کاٹن کا سوٹ پہن کر گھوم رہا ہے اور جیب میں صرف دو سو روپے!“ اُس نے غصے سے زمین پر تھوکا۔

”اگر تمھیں زیادہ رقم کی ضرورت ہے تو میں گھر سے لا دیتا ہوں۔“

”کیا!!!“ نوجوان حیرت سے بولا۔ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“

”ظاہر ہے تمھیں رقم کی ضرورت ہوگی جب ہی تو یہ خطرہ مول لیا ہے تم نے۔“ ملک صاحب کے لہجے میں ملائمت تھی۔

”تت ... تم ... کوئی چالاکی تو نہیں دکھانا چاہتے ... اگر مجھے گرفتار کروانے کی کوشش کی تو میں پورا پستول تمھارے اُوپر ختم کر دوں گا۔“

”بھئی بار بار پستول کی دھمکیاں مت دو۔ میرے دل میں ذرہ برابر بھی تمھارے پستول کا خوف نہیں۔“

”لیکن کیوں؟“

”اس لیے کہ میں حفاظت کی دعائیں پڑھ کر گھر سے نکلتا ہوں اور اب میری حفاظت اللہ جل شانہٗ کے ذمہ ہے۔“ ملک صاحب نے لفظ ”اللہ“ کچھ اس عظمت کے ساتھ کہا کہ نوجوان کے دل پر چوٹ سی لگی۔ وہ ہونقوں کی طرح کھڑا ملک صاحب کا منہ تک رہا تھا اور پستول والا ہاتھ جھک گیا تھا۔ ملک صاحب نے محبت سے اُس کا ہاتھ پکڑا اور بولے۔ ”پہلے ہم دونوں ناشتا کر لیتے ہیں، پھر جو مجھ سے ہو سکا، میں تمھاری ضرور مدد کروں گا۔“

نوجوان نے پستول اپنی پینٹ کے بیلٹ کے اندر اُڑس لیا اور خاموشی سے ملک صاحب کے ساتھ چل پڑا۔ چند منٹ بعد ایک قریبی ہوٹل میں میز پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے دونوں ناشتا کر رہے تھے۔ ناشتے سے فارغ ہوئے، ملک صاحب نے کہا:

”اب بتائیں کہ ایسی کیا مجبوری تھی جس کی وجہ سے آپ اس حرکت پر آمادہ ہوئے؟“

نوجوان چند لمحے سر جھکائے سوچتا رہا، پھر دھیمے لہجے میں کہنے لگا:

”میں تین بہنوں کا اکلوتا بھائی ہوں۔ والد کا کچھ عرصہ قبل ایک حادثے میں انتقال ہوا تو ہمارے برے دن شروع ہو گئے۔ گھر کے سارے خرچ کی ذمے داری میرے کندھوں پر آ پڑی۔ کوئی ہنر تو آتا نہیں تھا اور تعلیم بھی بس واجبی سی تھی، اس لیے مجبوراً ایک ہوٹل پر ملازمت کر لی۔ والدہ اور بہنیں کپڑے وغیرہ سی کر میرا ہاتھ بٹانے لگیں مگر پھر بھی گزر اوقات بڑی تنگی سے چل رہی تھی۔ اب بہنوں کے رشتے آنا شروع ہوئے، لیکن ہمارے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں بچتی تھی، پھر بھلا بہنوں کے جہیز کا سامان کہاں سے لاتے۔ مجھ پر ہر وقت یہی فکر سوار رہتی تھی کہ کیسے جلد سے جلد جہیز کا انتظام ہو جائے۔ ہمارے ہوٹل میں چند اوباش قسم کے نوجوان اکثر آتے تھے۔ میری ان سے علیک سلیک ہو گئی۔ وہ لڑکے بسوں میں چڑھ کر اسلحے کے زور پر مسافروں کو لوٹ لیتے تھے۔ برے کی دوستی بھی بری ہوتی ہے۔ میں بھی ان کے گروپ میں شامل ہو گیا اور چھوٹی موٹی وارداتیں کرنے لگا، لیکن اب لوگ سیانے ہو گئے ہیں۔ زیادہ رقم اور مہنگے موبائل لے کر سفر کرنا چھوڑ دیا ہے لوگوں نے۔“ وہ چند لمحے کے لیے رکا۔ میز پر رکھے گلاس میں سے ایک گھونٹ پانی کا بھرا اور پھر کہنے لگا۔ ”آیندہ ہفتے میری بڑی بہن کی شادی ہے۔ میں نے گھر میں بتایا تھا کہ جس سیٹھ کے پاس میں کام کرتا ہوں، اُن سے ایڈوانس کی بات میں نے کر لی ہے۔ اس لیے اب لمبا ہاتھ (باقی صفحہ 11 پر)

اور ایک بات

ماوراء گل ۔ گجرات

اس کے چلتے قدم رُک گئے ... گلی کے دوسرے سرے پر چند خونخوار کتے کھڑے تھے ... ارسل نے اردگرد نگاہیں دوڑائیں ... پھر آہستگی سے ایک طرف پڑی اینٹ اُٹھالی ... کتے بھی شاید اس کا ارادہ بھانپ گئے تھے ... کچھ تو سہم گئے اور کچھ اور زیادہ خونخوار ہوگئے ... ارسل نے اینٹ ہوا میں اُچھال دی ... جو سبکتگین انکل کے چہیتے شکاری کتے کی ٹانگ پہ لگی ... گلی میں گویا بھونچال آ گیا ... اب ارسل میاں آگے آگے تھے ... اور کتے اس کے پیچھے ...

سبکتگین انکل اپنی چھت پہ کھڑے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے ... اپنے کتے کی درگت بنتے دیکھ کر ان کے ماتھے پر ان گنت بل پڑ گئے ...

وہ فی الفور چھت سے اُترے ... اور گلی میں چلے آئے ... ارسل ابھی تک کتوں سے بھاگ رہا تھا ...

''اے لڑکے ... سنو!'' انھوں نے غصے سے پکارا۔ ارسل نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

سبکتگین انکل کو دیکھتے ہی اس کی سٹی گم ہوگئی ... وہ جانتا تھا کہ ان کا شکاری کتا کس قدر چہیتا تھا انھیں ... اُس نے اپنے بھاگنے کی رفتار اور تیز کر دی ...

''ارے میں کہتا ہوں رُکو'' مگر وہ نہ رُکا۔

سبکتگین انکل نے بھی اپنی رفتار بڑھا دی ... وہ ہر حال میں اس تک پہنچنا چاہتے تھے ... ارسل اب روڈ پر آ گیا تھا ... سبکتگین صاحب کی بڑی بڑی مونچھیں غصے سے پھڑ پھڑا رہی تھیں ...

سڑک کے کنارے پر موٹو کھڑا گول گپے کھانے میں مشغول تھا ... وہ ہانپتا ہوا موٹو کے پاس آ کھڑا ہوا ...

''ارے ارسل کیا ہوا؟''

''تت ... تم انکل کو کچھ نہ بتانا'' ارسل کا ارادہ اس کے پیچھے چھپ جانے کا تھا۔

''مگر کیا نہ بتاؤں؟'' موٹو حیرانی سے بولا۔

''تم انکل کو کچھ نہ بتانا پلیز!''

''ارے لڑکے رُکو!''

سبکتگین صاحب بھی روڈ پر آ گئے تھے۔ ان کی آواز سنتے ہی ارسل نے موٹو میاں کو چھوڑا اور بھاگ نکلا۔

''اُف یہ لڑکا!'' وہ ہانپتے ہوئے موٹو میاں کے پاس آ رُکے۔

''کیا ہوا انکل؟''

''ارے ہونا کیا ہے ... اتنی محنت سے کتا پالا ... اتنی اتنی زیادہ غذائیں کھلائیں۔''

''تو کیا وہ غذائیں ارسل کھا گیا؟'' موٹو میاں نے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''ارے نہیں نالائق ... وہ کیوں کتے کی خوراک کھانے لگا؟ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ وہ کتا بہت طاقتور اور خونخوار تھا ... اپنے شکار کی بُو سونگھ لیا کرتا تھا۔''

''تو ارسل نے اُسے مار ڈالا؟'' موٹو میاں جب بھی بولتے، چھپر پھاڑ کے بولتے۔ سبکتگین صاحب نے اس کے پھولے گال پر تھپڑ رسید کیا۔

''میرا کتا کیوں مرنے لگا بھلا؟''

''اوہ اوہ ... میں سمجھ گیا!'' موٹو میاں مسکرائے۔

''کیا سمجھ گئے؟''

''ارسل نے آپ کے کتے کو ضرور گالی دی ہوگی ... اُسے ''کتا'' کہہ کر بلایا ہوگا؟''

''احمق ... نالائق!'' وہ غصے سے پھنکارے۔

موٹو میاں سہم گئے ...

''اچھا ارسل تمہارے پاس جب رُکا تو کیا کہہ رہا تھا؟'' سبکتگین صاحب نے پوچھا۔

''وہ کہہ رہا تھا ... انکل کو کچھ مت بتانا!'' موٹو میاں نے رازداری سے کہا۔

''کیا مطلب؟'' وہ چونکے۔

''وہ یہی کہہ کر گیا ہے!''

''چٹاخ!'' موٹو میاں کا دوسرا گال بھی سوجھ گیا۔

''کیا کہہ رہا تھا وہ تمہیں؟''

''انک ... انکل ... اُس نے کہا تھا، کچھ نہ بتانا''

موٹو میاں رونے لگے۔ انکل نے اپنا سر پیٹ لیا۔

O

ننھے سے پستول سے ایک شعلہ نکلا اور ... کتے کی گردن میں پیوست ہوگیا ... کتا تڑپنے لگا اور پھر ساکت ہوگیا ... سبکتگین صاحب نے جھکی گردن اوپر اٹھائی اور ارسل کی طرف دیکھا ... انھوں نے پستول ایک طرف رکھا اور ارسل کو اشارے سے بلایا ...

''جی انکل!'' وہ مؤدب سا کھڑا ان کے پاس آیا۔

''میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنا کتا مار ڈالا ... کیا تم نے اس سے کوئی سبق سیکھا؟'' انھوں نے نرمی سے پوچھا۔

ارسل نے سر اُٹھا کر انھیں دیکھا:

''جی ... یہی کہ جب کتا پاگل ہوجائے تو اسے اپنے ہاتھوں سے مار ڈالنا چاہیے۔''

''اُف!'' انھوں نے خفگی سے اُسے دیکھا۔

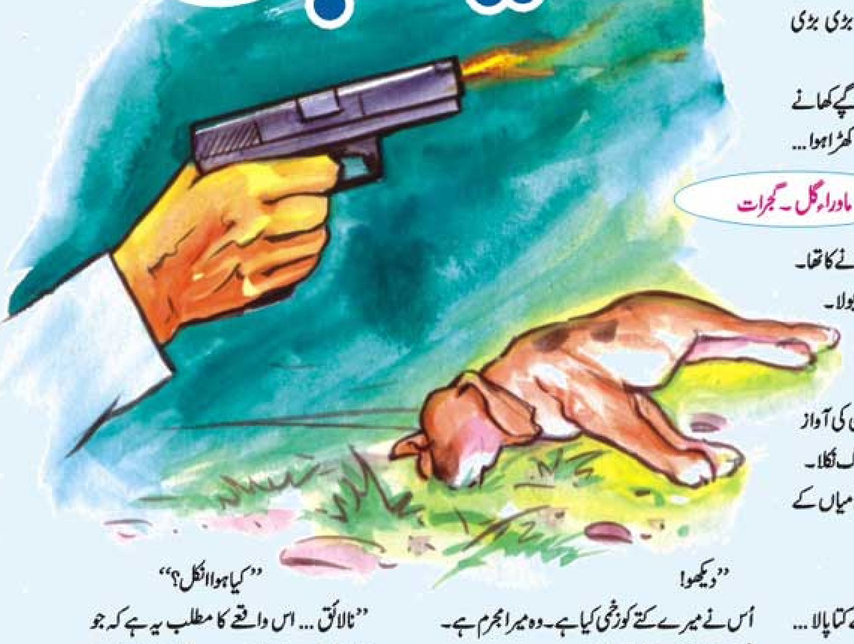

''دیکھو! اُس نے میرے کتے کو زخمی کیا ہے۔ وہ میرا مجرم ہے۔ مجھے بتاؤ کیا کہہ رہا تھا وہ؟''

''اُس نے یہی کہا ہے کہ کچھ مت بتانا'' موٹو نے وضاحتی انداز میں کہا۔

''ارے کیا نہ بتانا؟'' وہ اونچی آواز میں بولے۔

''مجھے کیا معلوم ہے ... مگر وہ یہی!''

''کیا ہوا انکل؟''

''نالائق ... اس واقعے کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز ہماری شریعت میں ناپسندیدہ ہو، ہمیں اُسے چھوڑ دینا چاہیے۔''

''مگر آپ نے اسے چھوڑا کب؟ آپ نے تو اسے مار ڈالا۔'' ارسل نے حیرانی سے انھیں دیکھا۔

(باقی صفحہ 11 پر)

آنے والے سالوں میں

حافظ عبدلرزاق خان۔ ڈیرہ اسماعیل خان

بچپن میں کہیں پڑھا تھا کہ غریب ہے وہ شخص جس کا کوئی دوست نہ ہو۔ ایک استاد سے یہی بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے سنی۔ ہم نے فوراً تاویل پیش کی ''یعنی غریب وہ شخص ہے جس کا کوئی اچھا دوست نہ ہو'' وہ مسکرائے اور بڑے پیار سے بولے: ''بیٹا! بھلا دوست گندے بھی ہوتے ہیں۔'' بہرحال ہمیں استاد جی کی بات اپنی زندگی کی تیس بہاریں دیکھنے کے باوجود سمجھ میں نہیں آئی۔

یوں تو ہر انسان کی زندگی میں بے شمار لوگ آتے ہیں، لیکن کچھ لوگ خود بخود نظروں میں مقام بنا کر دل میں اُتر جاتے ہیں اور جب وہ اچانک جدا ہوں تو یوں لگتا ہے کہ سب کچھ لٹ گیا ہو۔ نعمانی بھائی بھی ایسے ہی تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہماری پہلی ملاقات تعلیمی نفسیات کے پیریڈ میں ہوئی تھی۔ اس وقت ہمیں بالکل خبر نہیں تھی کہ ہم ایک دوست کے اتنے قریب ہو جائیں گے کہ جدائی محال ہوگی۔ ہم تقریباً سات سال اکٹھے رہے، ٹوکری میں پڑے برتن بھی ٹکرا جاتے ہیں، لیکن اس عرصہ میں لڑائی تو کجا ہم میں تلخ کلامی تک نہیں ہوئی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں اس کی سیرت اور کردار کی کیسے تصویر کشی کروں؟

وہ عمر میں مجھ سے محض دو سال بڑا تھا۔ لیکن سنجیدگی اور پُر وقار طبیعت نے اُسے بزرگوں کی صف میں لا کھڑا کیا تھا۔ اس کی ہر ادا سے سلیقہ ٹپکتا تھا۔ لوگوں پر جان چھڑکنا اور ان کے دکھ درد میں شریک ہونا، اس کی عادت تھی۔ مجھ میں نہ جانے اسے کیا نظر آتا تھا کہ اپنی رازدارانہ باتیں بھی مجھے بتا دیتا تھا۔ شاید اسے یقین تھا کہ اس کا راز ظاہر نہیں ہوگا۔

ایک روز جب اس نے بتایا کہ اس کے ابو اور امی کم سنی ہی میں وفات پا گئے تھے تو مجھے نہایت صدمہ ہوا۔ دوستی کا وہ فاصلہ جو شاید سالوں میں طے ہوتا، ایک ہی لمحے میں طے ہو گیا۔ میں اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولا:

''اچھا تو میرا پیارا عبدالستار، ماں باپ کی شفقت سے بھی محروم ہے۔''

''نہیں یار! میرے دادا جانی اور چچا ہیں ناں! وہ ماں باپ سے بھی زیادہ ہیں۔'' اس کے جواب نے مجھے حیرت میں ڈال دیا، کیوں کہ میں تو یہی سمجھتا تھا کہ ماں باپ کے مر جانے کے بعد سب لوگ بدل جاتے ہیں۔

O

بی ایڈ کا تعلیمی سال کا ختم ہو رہا تھا اور سب طلبہ ایک دوسرے کی ڈائریوں پر الوداعی کلمات لکھ رہے تھے اور آنسو بھی بہا رہے تھے۔ میں نے اپنی ڈائری اس کے سامنے کی تو ہنس کر بولا:

''اس کا مطلب ہے کہ آپ ہمیں دوسروں کی طرح سمجھ رہے ہیں۔ بھائی جان دوستی تو اب شروع ہوگی۔ پہلے تو ہم سب تعلیم کی غرض سے ملتے رہے، اب دیکھتے ہیں کہ کون کس کا کتنا ساتھ نبھاتا ہے۔'' اور پھر اس نے دوستی کا حق ادا کر دیا۔ ایک دوسرے کی ضرورت بن گئے تھے۔ آنے والے دنوں میں اس کی صلاحیتیں کھل کر میرے سامنے آنے لگیں۔ وہ تو ہر فن مولی تھا۔ میں ریاضی سے اکتاتا ہوں اور وہ کہتا تھا کہ میں ریاضی کے ذریعے اکتاہٹ دور کرتا ہوں۔ میں سراپا آرٹس اور وہ سراپا سائنس تھا۔ سائنس اور آرٹس کا یہ حسین امتزاج بہت ہی جچتا تھا۔ خاص طور پر میرے ابو اس کے بڑے قدردان تھے۔

O

ایک دوست کے گھر ہم کھانا کھا رہے تھے کہ شعر و شاعری چھڑ گئی۔ ہر ایک نے اپنے ذوق کے مطابق اشعار سنائے۔ آخری نمبر نعمانی بھائی کا تھا۔ پُر وقار لہجے میں بولے:

رابطوں کی دنیا ہے، رابطوں سے رشتے ہیں

آنے والے سالوں میں!

اُس نے ابھی اتنا ہی سنایا تھا کہ بجلی چل گئی۔ یک دم سب کا موضوع ''واپڈا'' ہو گیا۔ واپڈا پر من کی بھڑاس نکالنے کے بعد سب نے کہا: ارے عبدالستار! تم اپنا شعر تو مکمل کرو! وہ پھر گویا ہوا:

رابطوں کی دنیا ہے، رابطوں سے رشتے ہیں

آنے والے سالوں میں

''اس مرتبہ طاہر کے موبائل کی گھنٹی گونجی۔ سارا تسلسل ٹوٹ گیا اور محفل برخاست ہو گئی۔ عبدالستار نعمانی اپنا سا منہ لے کر رہ گیا، لیکن ناراض نہیں ہوا ہماری بے مروتی پر۔

نعمانی بھائی کی عادات بہت اچھی تھیں۔ مسکرانے کا خوب صورت انداز، دھیما مزاج، لباس میں سادگی اور صفائی، دلائل سے پر گفتگو، علم، علما اور طلبہ پر تو جان چھڑکتا تھا وہ۔ کھانے پینے میں احتیاط، اور بوتل سے تو سخت نفرت تھی۔ اکثر کڑھتا ''لوگ کتنے شوق سے بوتلیں پیتے ہیں اور اپنی صحت کی بالکل پروا نہیں کرتے۔''

اس کی نوکری کیا لگی رشتوں کی لائن لگ گئی۔ اکثر رشتے ان بچیوں کے آتے جو صاحب روزگار اور خود مختار ہوتیں۔ ایسے رشتے کون ٹھکراتا ہے مگر اسے ان میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے کہا کہ آخر کیوں شادی نہیں کرتے؟ بولا: ''بھئی میں نے گھر بسانا ہے، نوٹ نہیں چھاپنے۔ وہ نوکری کرے گی یا بچوں کو سنبھالے گی۔'' مجھے اس کے جواب سے بے حد خوشی ہوئی کہ ایم ایس سی فزکس پوزیشن ہولڈر اتنی اچھی سوچ کا مالک ہے۔

اس کے تعلیمی حالات کو دیکھا جائے تو کوئی داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔ ''تھرو آؤٹ فرسٹ ڈویژن'' سائنسی مضامین میں مہارت، جس چیز کو بھی ایک نظر دیکھتا، اگلے ہی لمحے ذہن نشین ہو جاتی۔ ریاضی سمجھانے کا انداز سب سے منفرد، خود ساختہ، فارمولے جو تیر بہدف ثابت ہوتے۔ ایک مرتبہ مجھ سے کہا: پتا بھی ہے ''Vovels'' کو''Vovels'' کیوں کہتے ہیں؟ وہ اس لیے کہ انگریزی کا کوئی بھی لفظ ''Vovels'' کے بغیر نہیں بن سکتا۔ واولز تعداد میں پانچ ہیں۔ (a,e,i,o,u) اب انگریزی کے الفاظ دیکھیے مثلاً Cat، Dog، Fan، Door، Chair، Year، Month، Day، Mobile، ان سب میں Vovels موجود ہیں۔

میں بولا: ''عبدالستار بھائی کیوں نہ ایسے الفاظ سوچیں جن میں Vovels نہ ہوں؟'' کہنے لگا، ہے تو مگر سوچ لینے میں کیا حرج ہے۔ صرف پانچ منٹ کے بعد میرے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔ میں فوراً بولا: مل گیا، مل گیا وہ لفظ ہے ''Fly'' مکھی۔ وہ حیران رہ گیا۔ پھر اس نے بھی فوراً کہا ''Sky'' آسمان۔ گویا پانچ منٹ میں ہم نے واولز کے بغیر الفاظ ڈھونڈ نکالے۔

مارچ 2012ء میں نورالامین صاحب نے مجھ سے ایک سوال پوچھا تھا: ''کفن کے علاوہ وہ کون سی چیز ہے جسے پہننے والا خریدتا نہیں اور خریدنے والا پہنتا نہیں۔'' میرا دماغ شائیں شائیں کرنے لگا۔ بعد میں نعمانی بھائی کو بتلایا تو فوراً بولے: ''ہیلمٹ'' میں داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ 63000 تریسٹھ ہزار ایسا ہندسہ ہے جسے ایک سے لے کر 9 تک کا ہر ہندسہ تقسیم کرتا ہے، یعنی اس پر پورا پورا پہاڑہ جاتا ہے۔

اس کی دین داری سے اکثر لوگ بے خبر تھے۔ ظاہر میں وہ عام سا بندہ دکھائی دیتا تھا، حالانکہ وہ سابقہ دس سالوں سے تہجد گزار تھا۔ روزے کبھی نہیں چھوڑے۔ حلال خور اتنا کہ قدم قدم پر علماء سے مسائل پوچھتا کہ کہیں پھسل نہ جاؤں۔ ہیڈ ماسٹر ہونے کے باوجود بچوں کی روزانہ کلاسیں لیتا۔ اس کے وہ الفاظ تو میں کبھی نہیں بھول سکتا جو وہ اکثر کہتا:

''کبھی کبھی مجھے بہت ڈر لگتا ہے کہ کہیں اللہ مجھ سے ناراض نہ ہو۔'' میں تسلی دیتا اور اللہ کی رحمت کے تذکرے چھیڑ دیتا۔ ایک مقامی بزرگ سے اصلاحی تعلق بھی قائم کر رکھا تھا۔ کبھی کبھی رات گئے تک ہم دین کی باتیں کرتے رہتے اور اسے ذرا سی بھی اکتاہٹ نہ ہوتی۔ میں نے سات سالوں میں کبھی اس کے منہ سے کسی کا گلہ نہیں سنا۔ اگر ہم کسی کی غیبت شروع کر بیٹھتے تو وہ فوراً کہتا: ''موضوع بدلو، موضوع بدلو۔''

O

اس سال اسے بہت امید تھی کہ اس کی شادی ضرور ہو جائے گی۔ چنانچہ شاندار گھر تعمیر کرایا۔ خیرات کی، دوستوں کو مدعو کیا۔ سب نے یہی کہا، اب تمہارے پاس سب کچھ ہے۔ بس ایک دلہن کی کمی ہے۔ ''ان شاءاللہ'' وہ پُرعزم تھا۔

O

8 مئی 2013ء کو ہماری پرواز تھی۔ 7 مئی بروز منگل وہ ملنے آیا۔ سیب لایا۔ کہنے لگا: ''مجھے اجازت دیں۔ میں چلتا ہوں، دعاؤں میں ضرور یاد رکھنا۔ میرا ابھی عزم ہے کہ رمضان المبارک حرمین میں گزاروں۔'' میں نے آمین کہا اور گلے سے لگا کر کان میں کہا: ''بے فکر رہو تمہاری شادی کی دعا ضرور کروں گا۔'' جھٹ سے بولا: ''یار شادی ہو یا نہ ہو میرے رب سے میرے لیے جنت ضرور مانگنا۔'' اس نے پہلی مرتبہ ایسی دعا کا کہا۔

مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ میری اور اس کی بالمشافہ آخری ملاقات ہوگی اور اس کے سیب میں جدہ اور مکہ میں کھاؤں گا۔ 13 مئی 2013ء کو اس کا فون آیا تو چہک رہا تھا: ''مبارک ہو! اس مرتبہ بھی قومی اسمبلی میں دو چار علما پہنچ ہی گئے۔''

بقیہ : پستول

مارنے کے لیے میں نے اکیلے ہی واردات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔'' وہ خاموش ہو گیا اور آنسوؤں کے قطرے اس کی پلکوں پر جھلملانے لگے۔

''بیٹا! یہ تمہارا نہیں، میرا قصور ہے، بلکہ مجھ جیسے تمام مال داروں کا قصور ہے۔ اگر ہم اپنوں اور دوسروں کی مدد کرتے رہیں تو کسی غریب کے بچے کو اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے جرم کا راستہ اختیار کرنے کی ضرورت نہ پڑے، حالانکہ مال تو پھر بھی ہمیشہ پاس رہنے والی چیز نہیں۔ زکوٰۃ و صدقات میں نہیں لگائیں گے تو چوری، ڈکیتی اور بھتہ خوری میں چلا جائے گا۔ بہرحال اب جو ہو چکا، اس پر سچے دل سے توبہ کرو اور آیندہ کے لیے سچا اور پکا مسلمان بننے کی کوشش کرو اور برے دوستوں کی صحبت چھوڑ کر نیک اور صالح لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔ یہ میرا کارڈ ہے۔ میرے دفتر آ جانا۔ ان شاءاللہ تمہاری ضرورت کا انتظام بھی ہو جائے گا اور نوکری کا بھی۔'' ملک صاحب نے کارڈ اس نوجوان کو دیتے ہوئے کہا۔

''ب... بڑی... مہربانی... سس... سر جی!'' خوشی کے مارے نوجوان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور وہ مصافحہ کر کے ایک نئے عزم کے ساتھ چل پڑا۔ ملک صاحب نے اس وقت اپنے اندر ایک بے پناہ خوشی پھیلتی محسوس کی۔

بقیہ : اور ایک بات

''اوہو... یہ پاگل ہو گیا تھا ناں... اگر کھلا چھوڑ دیتا تو یہ پاگل سب کو کاٹ لیتا۔'' وہ جھنجھلائے۔

''جی!'' اُس نے سمجھداری سے سر ہلایا۔

''اور ایک بات!'' انھوں نے تنبیہی انداز میں کہا۔

''اور وہ کیا؟''

''شریعت میں شرارتیں کرنا ناپسندیدہ ہے... تم سب شرارتیں چھوڑ کر اپنی پڑھائی پہ خصوصی توجہ دو... اور تم موٹو!'' وہ موٹو میاں کی طرف متوجہ ہوئے۔

''جج... جی انکل!''

''ہمارے مذہب نے زیادہ کھانا کھانے کو ناپسند کیا ہے!''

''جی ضرور انکل میں کل سے ہی... بب... بلکہ آج سے کھانا چھوڑ دوں گا۔''

ارسل اور سبکتگین انکل نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بے اختیار ہنس دیے۔

''میرا مطلب زیادہ کھانا چھوڑ دوں گا۔'' موٹو میاں شرمندہ شرمندہ سے گویا ہوئے۔

''یہ ہوئی ناں بات!''

22 مئی 2013ء کو رات کے وقت تقریباً 8 بجے عبدالستار نعمانی کے نمبر سے گھنٹی آئی۔ گاڑی جدہ ائیرپورٹ کی جانب رواں دواں تھی۔ میں نے شوخی سے کہا: ''عبدالستار بھائی میں نے آپ کے لیے ڈھیروں دعائیں کی ہیں۔ جلدی سے خوش خبری سناؤ۔''

''میں یعقوب بول رہا ہوں، عبدالستار کا بہنوئی۔'' دوسری جانب سے آواز آئی۔

''جی جی یعقوب بھائی! کیسے ہو؟'' میں چہکا۔

''بس بھائی تمہارے دوست کو اس کے اصلی گھر چھوڑ کر آ رہے ہیں۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔'' آواز گھٹی گھٹی محسوس ہو رہی تھی۔ ''کیا کہا!'' میں بے یقینی کے عالم میں بولا۔

''صبح سکول جاتے ہوئے اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ موقعے پر ہی جاں بحق ہو گیا۔ عبدالرزاق! اس کے لیے دعا ضرور کرنا۔'' یعقوب رو دیا۔ مجھے ایسے لگا جیسے مجھ سے کوئی کہ رہا ہو، غریب ہے وہ شخص جس کا کوئی دوست نہ ہو۔''

میرا کیا حال ہے؟ مت پوچھو۔ تمام زائرین مجھے چپ کرانے لگے، لیکن تسلی اور صبر مجھ سے کہیں دور چلے گئے تھے۔ آنسو رکنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ حالتِ سفر ہو، پردیس ہو اور عبدالستار جیسے دوست کی موت کی خبر ملے تو ضبط کیسے ہو؟ خدا کسی کو ایسے صدمے سے دوچار نہ کرے۔ آمین!

یہ تجھے کس موڑ پر بچھڑنے کی سوجھی
اب تو جا کر دن سنورنے والے تھے

''اتنا بڑا جنازہ گزشتہ بیس سالوں میں میں نے کسی کا نہیں دیکھا۔ جگہ تنگ ہو رہی تھی۔ ہر اپنے غیرے کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ کیا مرد، کیا عورتیں، کیا بچے، کیا بوڑھے، سب بجھے بجھے دکھائی دے رہے تھے۔ کاش میرا جنازہ بھی ایسا ہو۔'' مولانا عبدالستار کی تعزیت کے لیے آنے والے لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے رو پڑے۔ ہمیں تو پتا ہی اس روز چلا کہ وہ کس پائے کا شخص تھا۔ علماء کی قدر کرتا تھا ناں! اس لیے علما بھی اس کے جنازے میں رو رہے تھے۔

تیل فروش

ادیب علی

''استاد محمد اکرم تیل فروش آ گیا، پنجاب والا۔'' گھر میں آتے ہی یہ آواز سنائی دی۔ آواز کے ساتھ پرانے طرز کی ہلکی سی موسیقی تھی۔

''یہ کیا کماتا ہوگا؟'' خالد نے اپنی امی سے کہا۔

''کچھ نہ کچھ تو کماتا ہوگا۔ کام تو کوشش کرنے سے بنتا ہے۔''

''سرسوں کا تیل، ناریل کا تیل، بادام روغن کا تیل، تارے میرے کا تیل، تلوں کا تیل، لونگ کا تیل، جوؤں کو ختم کرنے والا تیل، ریٹھے کا تیل۔'' آواز قریب آتی سنائی دی۔

''ذرا دیکھوں تو صحیح کہ یہ کیسے بیچتا ہے۔'' خالد کھڑکی میں کھڑا ہو گیا۔ اس کا گھر اوپر والی منزل پر تھا۔ اس لیے اسے دیکھنے میں آسانی تھی۔ ایک عام سا آدمی، معمولی سے کپڑے پہنے، سائیکل پیدل چلاتا ہوا آ رہا تھا۔ سائیکل کے اوپر اسپیکر لگا ہوا تھا اور ریکارڈنگ چل رہی تھی۔

''ہڈی کا درد، جوڑوں کا درد، گھٹنے کا درد، دھدر چنبل، ملتانی مرہم استعمال کرنے سے جلد کی تمام بیماریاں ختم!'' یہاں پر اس کی ریکارڈنگ ختم ہو گئی۔

''واہ ڈاکٹر صاحب بھی ہے، ان کی دکان چل جائے تو ڈاکٹر سب فوت ہی ہو جائیں گے۔'' خالد نے اس کی پرانی سائیکل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بھائی جی بادام کا تیل کیا بھاؤ ہے۔'' خالد کے ہمسائے سے فائزہ آپا نے نکل کر پوچھا تو میں حیران رہ گیا کہ اس سائیکل والے کے بھی لوگ خریدار ہیں۔

''تین سو بیس روپے کا پاؤ دے دوں گا۔''

''بھائی جی بہت زیادہ لے رہے ہو۔'' ساتھ ہی فائزہ آپا نے دروازہ بند کر دیا۔ اس نے سائیکل آگے بڑھا دی۔ ریکارڈنگ کا بٹن دبایا اور آگے چلا۔ ایک بار پھر اسپیکر سے آواز آئی۔

''استاد محمد اکرم تیل فروش آ گیا، پنجاب والا۔''

''اے تیل والا۔'' دوبارہ فائزہ آپا نے دروازہ کھول کر آواز دی۔

''تین سو روپے کا پاؤ دے دیں گے۔''

''نہیں باجی!'' اس نے ریکارڈنگ بند کرتے ہوئے کہا۔

''چل دے دے، یہ لے 320۔'' ساتھ ہی انھوں نے دروازے سے بوتل اور پیسے دیے۔ پھر اپنے برقعے کو سیدھا کرتے ہوئے بولیں۔

''تم لوگ ٹس سے مس نہیں ہوتے ہو۔'' استاد محمد اکرم نے کوئی جواب نہ دیا۔ سائیکل کے پیچھے بنے ہوئے کھوکھے میں سے ایک بڑی بوتل نکالی اور تیل تولا اور دے دیا۔ پیسے جیب میں ڈالے، دوبارہ ریکارڈنگ کا بٹن دبایا اور چل دیا۔

''استاد محمد اکرم تیل فروش آ گیا، پنجاب والا۔'' خالد اسے دوسری گلی میں جاتا دیکھتا رہ گیا۔

☆

''بیٹا نوکری کا کیا ہوا۔'' امی نے خالد کا اترا ہوا چہرہ دیکھا تو پوچھا۔

''انٹرویو تو دے آیا ہوں، آپ دعا کریں۔'' خالد نے فائل میز پر پھینکتے ہوئے کہا۔

''بیٹا دعا بھی کیا کرو کہ نوکری مل جائے ... اور جو وظیفے مولوی صاحب نے دیے تھے، وہ بھی تو پابندی سے کیا کرو۔'' امی کی نصیحتیں دوبارہ اسٹارٹ ہو گئیں۔

''امی وظیفوں کا دور تو گیا، اب سفارشیں چلتی ہیں۔'' خالد نے روکھا سا جواب دیا۔

''بیٹا مایوس نہیں ہوتے، فائزہ آپا کا بیٹا بھی تو ہے کتنی ٹھوکریں کھانے کے بعد آخر کار لگ ہی گیا ہے نا۔''

''امی میں MBA کر کے 10 ہزار والی نوکری نہیں کر سکتا۔''

''بیٹا آج کا زمانہ ایسا ہی ہے، گاڑی جب بھری ہوتی ہے تو پاؤں رکھ لو، بعد میں سیٹ مل ہی جاتی ہے ... تم کوئی کام شروع تو کرو۔'' خالد نصیحت سے کنی کترا کر غسل خانے میں گھس گیا۔ شدید ترین لُو اور پھر موٹر سائیکل پر سفر نے اسے بری طرح ہلا دیا، کراچی کا موسم ہی ایسا تھا کہ ایک دو ہفتہ گرمی پڑتی تھی اور اگلی پچھلی ساری کسر نکال دیتی تھی۔ وہ جیسے ہی غسل خانے میں گھسا تو دور سے ایک آواز سنائی دی۔

''استاد محمد اکرم تیل فروش آ گیا، پنجاب والا۔'' اس آواز نے امی کی نصیحت کو دوسرے انداز میں اس کے ذہن میں اتارنے کی کوشش کی، لیکن اس نے ایک لمحے کو سنا، پھر پانی گرنے کی آواز نے اُس کی آواز کو دبا دیا۔

☆

''ہیلو ... جناب ملک خالد قریشی بات کر رہے ہیں؟'' فون اٹھاتے ہی ایک باوقار لیکن اجنبی آواز آئی۔

''جی بات کر رہا ہوں۔''

''میں اقراء ٹریول ایجنسی سے بات کر رہا ہوں، آپ نے یہاں کوئی نوکری کے لیے درخواست دی تھی ... کل صبح انٹرویو کے لیے ہیڈ آفس پہنچ جائیں ... راستے کی تفصیل آپ کو میسج کر دی ہے ... اپنا خیال رکھیے گا ... اللہ حافظ۔'' خالد نے کانپتے ہاتھوں سے فون بند کیا۔ جلدی سے اقراء ٹریول ایجنسی کی ویب سائٹ کھولی۔ اپنی نوکری کی جگہ پر پہنچ کر وہ اچھل کر رہ گیا۔ اس کمپنی کا اربوں کا کاروبار

تھا۔ جس پوسٹ کے لیے اس نے درخواست دی تھی، وہاں خالد کو اکم ازکم 60 ہزار تنخواہ ملنی تھی، لیکن چونکہ خالد کا تجربہ نہیں تھا، اس لیے اسے 40 ہزار کی امید تھی۔

اگلے دن وہ تیار ہو کر کمپنی پہنچا۔ وہ اکیلا انٹرویو کے لیے آیا تھا۔ انٹرویو دینے میں وہ ماہر ہو چکا تھا۔ یہ مرحلہ بڑی تیزی سے طے ہوا۔ تنخواہ کی بات آئی تو اس نے ساری باتیں بتا کر 40 ہزار پر منظوری دے دی۔

''مسٹر خالد! 45 ہزار تنخواہ دوں گا۔'' منیجر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔

''یس سر۔''

''ساتھ میں فلیٹ بھی دوں گا۔''

''یس سر۔''

''موٹر سائیکل بھی ملے گی، جو چھ مہینے بعد گاڑی میں تبدیل ہو جائے گی اور دو سال بعد نئی کرولا مل جائے گی۔''

''یس سر لیکن۔''

''ابھی مہینے کا پیٹرول 25 لٹر ملے گا۔ جب گاڑی ملے گی تو 50 لٹر کر دیں گے۔''

''یس سر... مگر سر میں آپ کی کمپنی میں آجاؤں، آپ میری کارکردگی دیکھ کر فیصلہ کیجیے گا۔'' خالد کا دل دھڑکنا بھول چکا تھا۔

''تمہیں کمپنی میں آنے کی ضرورت نہیں، ہمارا کام تمہیں گھر بیٹھے کرنا ہوگا۔''

''یس سر... اس کے لیے مجھے لیپ ٹاپ کی ضرورت ہوگی۔''

''لیپ ٹاپ بھی تمہیں ہم ہی دیں گے۔'' منیجر کی آنکھوں میں بے پناہ مضبوطی تھی۔ اس کا لہجہ ٹھوس سے ٹھوس تر ہوتا جا رہا تھا۔

''یس سر... لیکن میری ٹریننگ؟'' خالد پڑھا لکھا تھا۔ وہ اس قسم کی کمپنیوں کو جانتا تھا جو گھر بیٹھے کام کرواتے تھے۔

''وہ بھی ہمارا بندہ تمہیں فلیٹ پر آکر دے گا۔ تمہیں کیا کچھ کرنا ہے، اس کی ساری ترتیب تمہارے ای میل ایڈریس پر بھیج دی گئی ہے۔ اگر یہ نوکری کرنا چاہتے ہو، اس ایڈریس پر پہنچ جاؤ، ورنہ نہیں آؤ گے تو ہمیں بہت سے لڑکے مل جائیں گے۔''

وہ تھوڑی دیر تک خالد کو خاموش نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر بولا:

''اب آپ جا سکتے ہیں۔''

''سر لیپ ٹاپ کہاں سے لوں گا۔'' منیجر نے خالد کو غور سے دیکھا۔

''ہوں... بہت ذہین ہو جوان! ویل ڈن، ہمیں ایسے نوجوان ہی چاہییں۔''

خالد کچھ مشکوک ہو چکا تھا۔ منیجر نے میز کے نیچے ہاتھ ڈالا اور بیگ نکالا۔

''ایک نظر اپنا لیپ ٹاپ دیکھ لو... یہ بھی کل تمہیں فلیٹ پر ملے گا۔'' اس نے خالد کی طرف بیگ سرکایا، بیگ کھولتے ہی اسے زبردست جھٹکا لگا۔ بیگ میں ایک ٹی ٹی پستول اور گولیوں کے کافی سارے میگزین ترتیب سے سجے ہوئے تھے۔

''کیسا لگا لیپ ٹاپ۔'' منیجر کی آواز سنائی دی۔

''یس سر! میں سوچوں گا۔'' اس نے گھبراہٹ چھپاتے ہوئے کہا۔

''یاد رکھنا نوجوان! یہاں پر آکر وہ کچھ ملے گا جو پاکستانی نوجوان خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا... میرا خیال ہے کہ تم سمجھ گئے ہو گے۔''

خالد کو ایک لمحے کو وہ سب لڑکے یاد آئے جو ہوٹل پر بیٹھ کر ساٹھ ستر ہزار کا بل بنا کر اٹھتے تھے۔ ساتھ ہی اس کے دل میں ایک آواز آئی۔

''استاد محمد اکرم تیل فروش آ گیا، پنجاب والا۔'' اس کے دماغ میں دھماکا ہوا۔ ساتھ ہی ایک آواز قریب سے آئی۔

''اب تم جا سکتے ہو، سوچ سمجھ کر آنا... گڈ بائے۔'' خالد باہر نکل آیا۔ انٹرویو کے لیے وہ اکیلا ہی تھا۔ وہ گھر پہنچنے تک کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ عیش و عشرت کی زندگی، دنیا کا ہر مزہ، ہر لذت، ہر قسم کی آسائش بازو پھیلا کر اس کو بلا رہی تھی۔

''کیا سوچ رہا ہے میرا بیٹا۔'' اس کی ماں اس کے خیالات کے درمیان آ گئی۔

''امی وہ نوکری والوں نے بلا لیا ہے، اب سوچ رہا ہوں، جاؤں یا نہ جاؤں۔'' خالد نے ادھوری بات ماں کو بتائی۔

''بیٹا۔'' ابھی اس کی ماں نے اتنا ہی کہا تھا کہ ایک زوردار گرج کی آواز آئی۔ چھم چھم بارش کا ایک زوردار ریلہ آیا۔ اس کی ماں کپڑے تار سے اتارنے کے لیے باہر کو دوڑی۔ اسی دوران ایک جانی پہچانی سی آواز قریب آتی سنائی دی۔ تند و تیز بارش کے اندر یہ آواز سیدھی اس کے دل میں اتر گئی۔

''استاد محمد اکرم تیل فروش آ گیا، پنجاب والا۔''

اس کے یہ جملے بڑی تیزی سے خالد کے دل میں اترتے جا رہے تھے۔ وہ جلدی سے صحن کی دیوار کے اوپر آ گیا۔ اس نے باہر کی طرف جھانکا۔ استاد محمد اکرم بارش سے بے نیاز سائیکل چلاتا ہوا جا رہا تھا۔ اس نے سائیکل کے اوپر ایک چھتری رکھی تھی۔

''سرسوں کا تیل، ناریل کا تیل، بادام کا تیل، تارے میرے کا تیل، تلوں کا تیل، لونگ کا تیل، جوؤں کو ختم کرنے کا تیل، ریٹھے کا تیل۔'' یہ جملے اس کے دل پر جمتے جا رہے تھے۔

''بیٹا کہاں بارش میں جا رہے ہو... جلدی واپس آؤ۔'' امی کی آواز پیچھے سے آئی۔ بارش اتنی تیز تھی کہ وہ چند منٹ میں نہا گیا، لیکن وہ وہیں کھڑا رہا۔ بارش کا پانی اس کے چہرے کو دھو رہا تھا، لیکن تیل فروش کیا سمجھتا، آج اس کے تیل نے کسی کا دل دھو دیا تھا۔

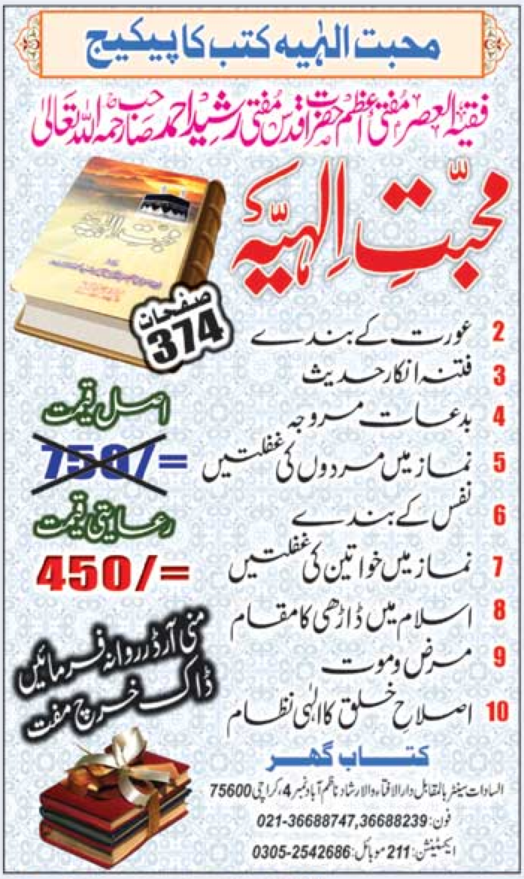

آمنے سامنے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! شمارہ 591 ملا۔ آمنے سامنے میں پہلے تین انعامی خط پڑھ کر خوشی ہوئی۔ میں جمیل الرحمن صاحب کے خط سے بالکل متفق ہوں۔ اس مرتبہ ایک سو دو باتیں پڑھنے کو ملیں۔ مولانا محمد ہاشم صاحب کی سفر کی تیاری اور تین ناشتے پڑھ کر منہ میں پانی آ گیا۔ انھیں ایسے سفری ناشتوں سے پالا پڑنے پر لکھنے کی فرمائش کرتے ہیں۔ بوتل کا جن نماز کا درس دے رہی تو باقی سب کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ (حافظ محمد عثمان۔ للیانی)

ج: فرمائش ان تک پہنچادی گئی ہے اور اب مولانا محمد ہاشم صاحب اپنے سفرنامے باقاعدگی سے لکھ رہے ہیں۔ شکریہ!

☆ یہ میرا ساتواں خط ہے۔ آپ نے ابھی تک ایک بھی شائع نہیں کیا، لیکن ہم بھی کسی سے کم نہیں۔ لکھتے رہیں گے۔ ہمت مرداں مدد خدا! بچوں کا اسلام قابلِ تعریف ہے۔ اس میں لکھنے والے ہمیں بہت پسند ہیں۔ خاص طور پر محمد شاہد فاروق، حافظ عبدالجبار سیال، ف۔ح کراچی، آپ کی دو باتیں۔ (انصر علی۔ وہاڑی)

ج: چلیے! ساتواں تو شائع ہوا۔

☆ ہم بچوں کا اسلام کے ایسے قارئین ہیں جن کا خط ہر ہفتے شائع ہوتا ہے (خیالوں میں) جسے دیکھ کر ہم من ہی من میں پورا ہفتہ مسکراتے رہتے ہیں۔ اس بار سوچا، کیوں نہ عملی طور پر بھی حصہ لے لیا جائے۔ امید ہے، شائع کریں گے۔ اللہ سے دعا ہے، وہ اس گلشن کو یونہی ہنستا بستا رکھے۔ آمین۔ (کائنات فرید، آمنہ فرید، شہزادہ بانو فرید۔ شادن لنڈ)

ج: آپ نے اچھا کیا۔

☆ شروع سے بچوں کا اسلام پڑھ رہا ہوں۔ میرے پاس ابتدائی شمارے بھی موجود ہیں۔ قیلولے سے پہلے جب تک بچوں کا اسلام کا کوئی مضمون نہ پڑھ لوں، اس وقت تک سو نہیں پاتا، لیکن خط پہلی بار لکھ رہا ہوں اور ایک مضمون لکھنے کے لیے بھی پر تول رہا ہوں۔ (یونس شمسری۔ کراچی)

ج: آپ کے مضمون کے انتظار میں مجھے بھی پر تولنے پڑ گئے۔

☆ امید ہے، تمام لکھنے پڑھنے والے خیریت سے ہوں گے۔ مجھے بچوں کا اسلام پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ بچوں کا اسلام پڑھنا چاندی کی مانند اور اسے پڑھ کر عمل کرنا سونے کی مانند ہے اور اس کی باتوں کو دوسروں تک پہنچانا ہیرے کی مانند ہے۔ گویا یہ میرے لیے ایک خزانہ ہے۔ (جویریہ خان۔ جیل چورنگی کراچی)

ج: آپ کا خط خط کم! جوہری کی دکان زیادہ لگا۔

☆ بچوں کا اسلام ہر لحاظ سے اچھا جا رہا ہے۔ تمام سلسلے اپنے جوبن پر ہیں آپ کے ناول کی تو کیا بات ہے۔ ہم بھی سلسلے ذوق شوق سے پڑھتے ہیں، سوائے نیوز چینل کے۔ ہم نے آج تک ایک بار بھی نیوز چینل نہیں پڑھا، لیکن ہمیں اس کی اشاعت پر کوئی اعتراض نہیں، کیونکہ ہمارے بے شمار بھائیوں کی وہ پسند بھی تو ہے۔ (ایمن بشریٰ۔ میانوالی)

ج: آپ نے بہت اچھی بات لکھی۔ شکریہ!

☆ مولانا محمد ہاشم صاحب کا شکریہ! ہمیں سفرنامے بہت پسند ہیں۔ کیا ڈاکٹر فرقان اور ڈاکٹر ہاشمین ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ انکل آپ اپنے دو چار مزاحیہ ناولوں کے نام بتا دیں۔ (ایمن۔ بھکر)

ج: بھائی جان کی تلاش، دوسری خالہ، الہ دین کا چراغ اور ہم، جاسوس کہیں کا۔

☆ ہمیں عمیرہ سرور اور اسما طاہر کی کہانیوں کا انتظار رہتا ہے، لیکن ان کا نام اکثر غائب ہوتا ہے۔ شمارہ 593 میں اسما طاہر کا خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ چلو کسی طرح تو انھوں نے بچوں کا اسلام میں شرکت کی۔ اب عمیرہ سرور کی کہانی کا انتظار ہے۔ (ثوبیہ۔ میانوالی)

ج: عمیرہ سرور اب اہلیہ عبدالسمیع کے نام سے لکھتی ہیں۔

☆ بچوں کا اسلام بہت پسند ہے۔ میرا یہ ٹوٹا پھوٹا خط ضرور شائع کیجیے گا، تا کہ میرے ٹوٹے پھوٹے حوصلے زندہ رہ سکیں اور میں مزید لکھنے کی کوشش کرسکوں۔ شکریہ!
(محمد اشرف سرگودھوی۔ کراچی)

ج: آپ کا خط تو بالکل صحیح سلامت ہے۔

☆ میں نے آپ کو گیارہ تاریخ کو خط لکھا تھا جو مجھے 23 تاریخ کو واپس مل گیا، حالانکہ اس پر پورا ٹکٹ لگایا گیا تھا۔ جس جگہ آپ کا پتا لکھا تھا، اس کے اوپر میرا پتا لکھا ہوا تھا، انکل اس کی کیا وجہ تھی بھلا۔ (محمد نعمان حکیم۔ ڈاکخانہ چک 73)

ج: اوپر وہ پتا لکھا جاتا ہے۔ جسے خط بھیجا جا رہا ہے۔

☆ میرے مضمون، نہار منہ پانی پینا میں حکیم محمد اجمل شاد صاحب کا نام غلط لکھا گیا۔ شاد کی جگہ "شاہ" لکھا گیا۔ شاید کمپوزنگ کی غلطی تھی۔ درستی فرمالیں۔ دوسری بات: انٹرویو کا سلسلہ بہت اچھا ہے، لیکن اس کے اعلان کا طریقہ درست نہیں۔ آپ کو چاہیے، اعلان کے ساتھ انٹرویو دینے والے کا مختصر تعارف لکھ دیا کریں، تا کہ سوال پوچھنے والے کو سوال لکھنا آسان ہو۔ مختصر تعارف سے مراد نام، عمر، جائے پیدائش، شادی شدہ یا غیر شادی شدہ تعلیم اور کیا کام کرتے ہیں۔ اس طرح سوال پوچھنے والوں کو یہ سوال پوچھنے ہی نہیں پڑیں گے۔
(انجینئر آصف مجید۔ لاہور)

ج: تجویز معقول ہے۔

☆ بچوں کا اسلام کا شمارہ 591 میرے سامنے ہے۔ اول تا آخر بہت شان دار ہے۔ خاص طور پر مولانا محمد ہاشم عارف صاحب کے سفرنامے کی پہلی قسط بہت دلچسپ ہے۔ ابتدا ایسی ہے تو اگلی قسطوں کا عالم کیا ہوگا، لیکن ایک غلطی کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ مولانا کے سفرنامے میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی کتاب جہانِ دیدہ کا لفظ دو جگہ مذکور ہے مگر دونوں جگہ جہاں دیدہ لکھا گیا ہے۔ ان میں معنی کے اعتبار سے بہت فرق ہے۔ جہانِ دیدہ کا مطلب ہے، دیکھا ہوا جہاں جب کہ جہاں دیدہ کا مطلب ہے، جہاں دیکھنے والا۔ اس لیے لفظ جہانِ دیدہ ہی درست ہے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب نے اپنے سفرنامے دنیا میرے آگے میں اس بات کی وضاحت بھی کی ہے۔ مولانا ہاشم صاحب سے درخواست ہے کہ سفرنامہ مستقل طور پر لکھتے رہیں۔ (محمد اسعد مدنی۔ حکیم آباد نوشہرہ)

ج: اس فرق کی طرف توجہ دلانے کے لیے شکریہ۔

☆ میں نے دو تحریریں کچھ تو اثر ہے اور والدہ کراچی کے پتے پر بھیجی تھیں۔ معلوم نہیں، آپ تک پہنچیں یا نہیں۔ مہربانی فرما کر اس کی وضاحت فرما دیں۔ تکلیف دینے کی معذرت! میرا اندازہ ہے کہ شاید کراچی کے پتے پر بھیجی جانے والی چیزیں آپ تک نہیں پہنچتیں یا کم از کم میری تحریریں نہیں پہنچتیں۔ (محمد عثمان حبیب۔ کہروڑ پکا)

قانون علاج بالغذاء کے عین مطابق
رکھے بیماریوں سے محفوظ
محافظ®
HERBAL PHARMA, PAKISTAN
ایک مکمل دماغی اور جسمانی ٹانک
کا خالص قدرتی اجزاء سے تیار کردہ خصوصی ٹانک
محافظ جان
بچوں بڑوں اور بوڑھوں کیلئے یکساں مفید
محافظ جان حافظہ اور نظر کو تیز کرتا ہے
آنکھوں کے ارد گرد سیاہ حلقے دور کرتا ہے
پچکے گال اور بے رونق چہرے کو دلکش اور بارونق بناتا ہے
مسلسل استعمال سے جوڑوں کے درد کیلئے بے مثال......
خواتین کی خوبصورتی کیلئے لاجواب
محافظ جان میں شامل اجزاء دل و دماغ معدہ اور جگر کی خصوصی نگہداشت کرتے ہیں
اگر آپ کسی بیماری کے باعث کمزوری محسوس کرتے ہیں
تو محافظ جان کا استعمال آپکی اندرونی خرابیوں کو دور کر کے آپ کو صحت مند توانا جاذب نظر اور خوبصورت بناتا ہے۔ وہ بھی بغیر کسی سائیڈ ایفیکٹ
چھوٹا ڈبہ 200 گرام 650/-
بڑا ڈبہ 400 گرام 1200/-
● سیف دواخانہ لیاقت مارکیٹ ملتان ● جمال الدین خان تی آئوز اتفاق اسٹیشن بلوچستان
● سٹینڈر یونانی دواخانہ چوک گھنٹہ گھر پشاور
● خالد دواخانہ صرافہ بازار ایبٹ آباد ● قدیمی چنیوٹی دواخانہ کچہری بازار سرگودھا
● نیا دواخانہ اسماعیل مارکیٹ شہید روڈ جھنگ ● خان کلینک جتی گوٹھ روڈ علی پور
● محمد نوید ماشاءاللہ جنرل سٹور گلی جامع مسجد اللہ داد والی جہانیاں
فری ہوم ڈیلیوری کیلئے ملک بھر سے ابھی فون کیجئے اور رقم کی ادائیگی پارسل ملنے پر کیجئے
Cell:0308-7520370 - 0334-7629969
قیومی دواخانہ بوہڑ بازار راولپنڈی 051-5505519

ج: آپ کا اندازہ سو فیصد غلط ہے۔ کراچی کے پتے والی بھی تمام چیزیں مجھے بھیجی جاتی ہیں۔

☆ تمام سلسلے ہی بہت عمدہ جا رہے ہیں، لیکن نا قابلِ اشاعت تو ہمارا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ شمارہ 593 میں کہانی نواب صاحب نقل شدہ تھی۔ یہ مضمون قاری منصور احمد صاحب کا ہے۔ جوان کی کتاب پاپڑ کرارے میں سلطان کی کہانی کے نام سے موجود ہے۔ مقدمہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ایک کہانی ارسال ہے۔ بلال پاشا اچھا اضافہ ہے۔ (محمد ذوالکفل۔ چوبرجی لاہور)

ج: آپ کو چاہیے تھا، سلطان کی کہانی کی فوٹو کاپی ارسال کرتے۔ یہ خط پڑھنے پر ارسال کر دیں۔ شکریہ!

☆ شمارہ 592 میں آپ کی دو باتیں حقیقت پر مبنی تھیں۔ خاص نمبر میں اشتہارات تو ہونے ہی چاہییں، تبھی وہ خاص نمبر لگتا ہے۔ میں تو ہر شمارے کا جائزہ لیتی ہوں کہ کتنے اشتہارات لگے ہیں۔ نہار منہ پانی پینا مضمون نے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ حیرت کے سمندر میں ڈوب گئے۔ بے شمار لوگ صبح سویرے نہار منہ پانی پینے کے عادی ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم ان میں سے نہیں۔ ساجدہ بتول کے والد صاحب کی اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں۔ آمین۔ (بنتِ مولانا سیف الرحمٰن قاسم۔ گوجرانوالہ)

ج: آمین۔

☆ 592 شمارہ ہاتھ میں آیا تو بیٹی نے ضد کی کہ پہلے میں، چنانچہ بے بس ہو گیا۔ بہرحال شام کو نصیب ہوا۔ دو باتیں میں آپ نے واقعی درست تجزیہ کیا ہے کہ انسان محنت کرے اور پھل نہ ملے تو منہ کا ذائقہ خراب ہو جاتا ہے۔ نیوز چینل خوب تھا، تصویری دھمکی عمدہ جا رہا ہے۔ کاش کا لشکر موجودہ دور کی کہانی ہے۔ نہار منہ پانی میں نہایت مفید بات بتائی گئی۔

(محمد احسن زماں۔ وزیر آباد)

ج: یہ مدیران کی مجبوری ہے۔ قابلِ اشاعت نا قابلِ اشاعت پڑھنی پڑتی ہیں۔

- گناہوں سے رکنے سے بڑھ کر کوئی پرہیز گاری نہیں۔
- ہر حال میں خوش رہنا سب سے بڑا فن ہے۔
- ضد پر اڑے رہنا ابلیس کا عمل ہے۔
- سچا دوست ہیرے سے کم نہیں۔
- اہلِ دولت کے ساتھ بیٹھو تو دین کو فراموش نہ کرو۔
- اپنے عیب کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھو۔
- آزمائش اور نمائش میں کوشش نہ کرو۔
- وہ شخص ہلاک نہیں ہوگا جس نے اپنی قدر پہچانی۔
- جو تم سے ڈرتا ہے، تم اس سے ڈرو۔
- روپے کی اللہ کے ہاں عزت نہیں۔ ○ دشمن سے مشورہ مت لو۔
- دنیا پرستی کو نا گہانی بلا جانو۔ ○ آخرت کا غم دل کا نور ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی دوستی اس کے دل میں نہیں ہوتی جسے مخلوق پر شفقت نہیں۔
- کردار وہ مالا ہے جس کا ایک موتی بھی ٹوٹ جائے تو ساری مالا بکھر جاتی ہے۔
- زندگی اس طرح بسر کرو کہ دیکھنے والے تمہارے درد پر آنسو کے بجائے تمہارے صبر پر رشک کریں۔ ○ توحید مسلمانوں کے لیے ایمان کی جڑ ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی محبت گناہ سے دور کرتی ہے اور گناہ کی محبت رب سے۔
- آنسو اس وقت مقدس ہوتے ہیں جب وہ کسی اور کے دکھ پر جاری ہوں۔

ارسال کرنے والے

حلیمہ بنتِ عزیز الرحمٰن رحیم یار خاں۔ حافظ محمد معاویہ۔ بنتِ رحم دین خوشاب۔ عمیر ریاست جھاوریاں۔ رابیل محمد خان ٹنڈو آدم۔ صائمہ بصیر ظل نجیب۔ حافظ احمد ہراج خانیوال

صرف غذا ہی کمزوری ختم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے

میزان 24

وزن 400 گرام قیمت 850 روپے

خالص قدرتی اور غذائی اجزاء سے تیار کیا گیا میزان 24 ایک ایسا مرکب ہے جو جسم کے تمام اعضاء کو طاقت دے کر آپ کو صحت مند، توانا اور جاذبِ نظر بناتا ہے، بھوک اور نیند کی کمی کو پورا کر کے جلد تھکاوٹ کا احساس ختم کرتا ہے۔ نیا اور صاف خون پیدا کر کے چہرے کو بارونق بناتا اور آنکھوں کے گرد سیاہ داغ ختم کرتا ہے، دماغی اور اعصابی قوت پیدا کر کے حافظہ اور نظر کو بھی تیز کرتا ہے، معدہ اور جگر کی اصلاح کر کے بیماریوں سے لڑنے کیلئے قوت مدافعت پیدا کرتا ہے، نیز گیس، قبض، سانس کی تنگی اور پیشاب کے جملہ امراض میں بھی بے حد مفید اور مؤثر ہے۔ معتدل مزاج اور خوشگوار ذائقہ کی بدولت ہر عمر اور موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ (شوگر کے مریض شوگر فری طلب کریں)

دل کا بائی پاس مت کروائیں

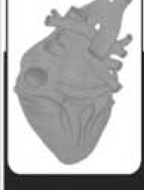

صرف ایک بار میزان 14 استعمال کریں

شہد سبزیوں اور مقوی اجزاء سے تیار کی گئی میزان 14 دل کی شریانوں کی تنگی کو ختم کر کے بند والو کو کھولنے والی دنیا کی سب سے کامیاب اور بے ضرر ہربل پروڈکٹ ہے بڑھتے ہوئے کولیسٹرول کو اعتدال پر لا کر دل کو طاقت دیتی ہے۔ بے مثال اور حیرت انگیز نتائج کی حامل یہ پروڈکٹ۔ موٹاپا، جوڑوں کے درد، بلڈ پریشر، فالج، لقوہ، ملیریا بخار اور بواسیر میں بھی بے حد مؤثر ہے۔

قیمت 1450

مقدار 700 ملی لیٹر

اجزاء: شہد، ادرک، لہسن، لیموں، سرکہ سیب مروارید، زہر مہرہ، ورق طلائی، عنبر یشعب

مولانا ابراہیم، حیدر چائی پٹھان کالونی، بنارس کراچی	0321-2682667	مکتبہ علائیہ ناصریہ تحصیل بازار ہارون آباد	0333-4985886
مرحبا پنسار سٹور، ٹوکوٹ ضلع میر پور خاص (سندھ)	0300-3119312	مکتبہ امیر شریعت عیدگاہ روڈ میلسی	0300-7734614
حکیم جمال شاہ، مدینہ شاپنگ مال مین طارق روڈ کراچی	0300-2548293	بادشاہ دی ہٹی بوہڑ بازار راولپنڈی	0345-7000088
رحمانی میڈیکل سٹور بالمقابل بس سٹینڈ میر پور خاص (سندھ)	0307-2100345	شافی دواخانہ شاہی بازار بہاولپور	0307-6679957
راوی دواخانہ، ڈکی ضلع لورالائی (بلوچستان)	0344-8282359	ریاض پنسار سٹور ریلوے روڈ ٹیکسلا	0322-5420834
یونانی دواخانہ صدیق اکبر چوک، چڑالہ ضلع باغ (AK)	0312-8006622	فخر شیخ دواخانہ نزد مچھلی منڈی دولت گیٹ ملتان	0300-7382825
احسن ہومیو سٹور، گلشن مارکیٹ لودھی روڈ حسن ابدال	0333-5179523	ورلڈ ہومیو سٹور گلی عثمان مسجد تحصیل روڈ میاں چنوں	0300-8393627
میاں ہومیو اینڈ ہربل سٹور کربلا روڈ ساہیوال	0322-9814004	حکیم مولوی عبداللطیف مستونگی محلہ کچھی (بلوچستان)	0342-3112120
پنجاب ہوزری بٹ مارکیٹ سکول بازار رحیم یار خان	0342-7323604	مفتی فرید مدرسہ اشرفیہ بہاچوک نرسنگی کلاں اسلام آباد	0311-0981002
الفتح ہومیو کلینک نزد دینی درسگاہ خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ	0304-3513351	پروفیسر ڈاکٹر صدیق الاحسان ہسپتال مال روڈ ڈاکی ضلع مانسہرہ	0334-9624448

مزید مشورہ / کاروباری رابطہ / براہ راست منگوانے کیلئے

حکیم غلام رسول

(40 سالہ تجربہ کار معالج، ماہر نسخہ ساز)

Cell:0312-1624556

پاکستان بھر سے ڈیلرز درکار ہیں

اَن پڑھ کی دلیل

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اپنے بچپن میں والد صاحب کے ہمراہ مسجد میں جایا کرتے تھے۔ ایک دن دیکھا کہ دو اَن پڑھ نمازیوں میں مناظرہ ہو رہا ہے۔ ایک کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوگا، دوسرا کہتا تھا کہ عذاب روح ہی کو ہوگا۔ جو کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوگا، اس نے مثال دی کہ ایک باغ میں نابینا اور دوسرا لنگڑا چوری کے خیال سے گئے، لنگڑا کہنے لگا کہ میں ٹانگ سے چل نہیں سکتا، نابینا نے کہا، میں پھلوں کو دیکھ نہیں سکتا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ نابینا لنگڑے کو اپنے کندھے پر اٹھالے اور لنگڑا پھل توڑلے۔ انھوں نے یہی کیا۔ اتنے میں باغبان آگیا۔ اب وہ دونوں کو ہی گرفتار کرے گا، نہ کہ ایک کو۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کی یہ بات سن لی۔ پھر بہت مدت بعد میں تذکرۃ القرطبی دیکھ رہا تھا۔ اس میں یہی مثال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی گئی۔ میں اسے پڑھ کر اس اَن پڑھ کی ذہانت پر حیران رہ گیا کہ کیا جواب دیا تھا اس نے۔ (انوارانوری ص 34)

ابن عبدالرزاق۔ سرگودھا

معلومات

محمد طلحہ بخاری۔ جامعہ ربانیہ پھلور

- پاکستان ریلوے کا پرانا ”نام نارتھ ویسٹرن ریلوے“ تھا۔
- کتا ایک ایسا جانور ہے جس کی زبان پر پسینہ آتا ہے۔
- تمام دنیا میں اس وقت 3064 زبانیں بولی جاتی ہیں۔
- جاپانی زبان گنتی کی طرح اوپر سے نیچے کو لکھی جاتی ہے۔
- دنیا کی قدیم ترین شہنشاہیت اب تک جاپان میں ہے۔
- ڈنمارک ایک ایسا ملک ہے جس کے تمام مرد اور عورت پڑھے لکھے ہیں۔
- دنیا کا سب سے نیچا ملک ہالینڈ ہے۔
- دنیا کا سب سے غریب ملک کانگو ہے۔

تقویٰ اور پرہیزگاری

سلطان عالمگیر رحمہ اللہ کی بیوی ”جہاں زیب بانو“ کے جسم پر پھوڑا نکل آیا۔ اس زمانے کے انگریز ڈاکٹر مارٹن نے اپنی ایک رشتہ دار لیڈی ڈاکٹر کو علاج کے لیے حیدرآباد سے بلایا مگر بیگم نے شرط لگائی کہ اگر یہ عورت شرابی نہیں ہے تو میرے بدن کو ہاتھ لگا سکتی ہے، ورنہ وہ میرے کمرے میں نہ آئے، کیونکہ میں اس سے علاج نہیں کراؤں گی۔ اس لیڈی ڈاکٹر کے بارے میں جب تحقیق کی گئی تو پتا چلا کہ وہ 40 سال سے شراب نوشی کرتی آرہی ہے، تب ملکہ نے کہا ”ایسی شرابی عورت کو میں اپنے بدن کو چھونے کی اجازت نہیں دیتی“

آخر دو سال بیمار رہ کر انتقال فرما گئیں، لیکن اس فاسقہ لیڈی ڈاکٹر سے علاج نہیں کروایا۔

یہ ان کا کمال تقویٰ تھا کہ علاج پر قادر ہونے کے باوجود صرف شراب جیسی لعنت میں مبتلا عورت کو چھونے کی اجازت نہ دی۔ (بحوالہ: عالمی تاریخ جلد 2 صفحہ 366)

محمد ابوبکر صدیق۔ شورکوٹ سٹی

مسکراہٹ کے پھول

☆ ایک شخص: میں ایف ایس سی پاس ہوں۔
دوسرا شخص: یہ کون سی بڑی بات ہے، میں پوری اے بی سی پاس ہوں۔
(فاطمہ عبدالخالق۔ خان گڑھ)

☆ ایک چور چوری کرنے کسی گھر میں داخل ہوا۔ تجوری پر لکھا تھا۔ تالہ توڑنے کی ضرورت نہیں۔ سامنے والا لال بٹن دباؤ، تجوری کھل جائے گی۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ الارم بج اٹھا۔ پولیس نے آکر اسے پکڑ لیا۔ گھر سے نکلتے وقت چور نے سرد آہ بھر کر کہا۔
”افسوس! آج انسانیت سے اعتبار اٹھ گیا۔“ (فائزہ واحد۔ گوجرانوالہ)

☆ استاد: آپ کے بیٹے نے فیل ہونے کے تمام ریکارڈ توڑ دیے۔
باپ: نالائق کہیں کا! گھر میں برتن توڑتا رہتا ہے اور سکول میں ریکارڈ۔
(حافظ محمد طلحہ حنیف۔ حاصل پور)

☆ عاطف: مرغی میں ایک بہت عجیب اور مزے دار بات بھی ہے۔
عاقل: وہ کیا؟
عاطف: یہ کہ ہم اسے پیدا ہونے سے پہلے بھی کھا سکتے ہیں۔
(ذیشان ارشد۔ بورے والا)

☆ ماں: ارشد تم سحری تو روز کھاتے ہو اور روزہ رکھتے نہیں۔
ارشد: وہ اس لیے کہ کہیں پورا ہی کافر نہ بن جاؤں۔

☆ مریض: ڈاکٹر صاحب! میری اوپر والی ڈاڑھ پر کیڑا لگا ہوا تھا۔ آپ نے نکال نیچے والی ڈاڑھ دی۔
ڈاکٹر: کیڑا نچلی ڈاڑھ پر کھڑا ہو کر اوپر والی ڈاڑھ کو کھا رہا تھا۔
(ثوبیہ صباء۔ رائے ونڈ)

نعمان: اگر انسانوں میں گوشت اور ہڈیوں کی جگہ ہوا بھری ہوتی تو کیا ہوتا۔
حذیفہ: پھر یہ ہوتا کہ تم کہیں جا رہے ہوتے تو کوئی پیچھے سے کہتا، ارے بھائی تمہارے پاؤں میں کانٹا چبھ گیا ہے۔ جا کے پنکچر لگوالو۔
(محمد عدنان معاویہ۔ عبدالودود روڈ و سلطان)

☆ ایک شخص کو ہر بات میں لفظ اتفاق بولنے کی عادت تھی، وہ خود بھی اپنی اس عادت سے تنگ آگیا۔ ایک روز ڈاکٹر کے پاس گیا۔ ڈاکٹر نے پوچھا، جی آپ کو کیا بیماری ہے۔ اس نے فوراً کہا:
”جی مجھے اتفاق کی بیماری ہے۔“ (لائبہ شمیمہ۔ جامعۃ الرشید کراچی)

☆ ٹرین میں ایک سردار نے دوسرے سے جگہ لینے کے لیے کہا:
”سردار جی! تھوڑی سی تکلیف کریں گے۔“
دوسرے نے فوراً کہا:
”ہائے ہائے! اوئی اوئی! آہ! اُف! اتنی کافی ہے یا اور کروں۔
(فائزہ واحد۔ گوجرانوالہ)

بچوں اور نوجوانوں کے لیے منفرد ہفتہ وار انگریزی میگزین

The TRUTH

Subscription Charges
Rs. 1200 for 1 Year (52 Issues — 4 issues free)
Rs. 600 for 6 months (26 Issues — 2 issues free)
Rs. 300 for 3 months (13 Issues — 1 issue free)
Bank Account → The Truth Intr. Current A/c no. 0184-0100310268
Meezan Bank Gulshan-e-Maymar, Karachi

رقم بذریعہ منی آرڈر اور ایزی پیسہ بھی بھیج سکتے ہیں

کراچی: 0334-3372304 | حیدرآباد: 0300-3037026
لاہور: 0300-4284430 | سرگودھا: 0321-6018171 | سکھر: 0300-9313528
فیصل آباد: 0333-4365150 | راولپنڈی: 0321-5352745 | ملتان: 0305-8425669
پشاور: 0314-9007293 | کوئٹہ: 0321-8045069

پرانے شمارے بھی منگوائے جاسکتے ہیں

سبسکرپشن اور دیگر معلومات کیلئے مرکزی رابطہ
ڈی ٹرتھ 4-G-1/11 ناظم آباد نمبر 4 کراچی
0322-2740052, 021-36881355

www.thetruthmag.com | info@thetruthmag.com